آخری اوور
کاشف زبیر
IRELAND
21
سیف الملوک عباسی
محمد نعمان
محمد سجاد بھٹی
عقیل قریشی

ایک اچھوتے موضوع پر لکھی گئی غیر روایتی داستان

کاشف زبیر

آخری اوور

اس ماہ سسپنس کے آخری صفحات کے لیے جس کہانی کا انتخاب کیا گیا ہے اس کا موضوع کھیل اس میں بھی آج کا مقبول ترین کھیل کرکٹ ہے۔ کھیل ابتدائے آفرینش سے ہی معاشرے کا حصہ رہے ہیں اور کھلاڑیوں کو ہر دور میں خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ غیر مہذب دور کے خوں رنگ کھیل اپنی شقاوت اور سفاکی کے باعث اس وقت کے حکمرانوں کی خصوصی تفریح طبع کا ذریعہ تھے اور عوام الناس ان سے عبرت حاصل کرتے تھے۔ تہذیبوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ کھیلوں کی ہیئت بھی تبدیل ہوتی گئی اور وہ مقابلے جو فریقین میں سے کسی ایک کی موت پر منتج ہوا کرتے تھے اب قدرے مہذبانہ انداز میں فیصل ہونے لگے۔ تاہم بُل فائٹنگ اور باکسنگ اب بھی ایسے ہی خوں خوار اور خوں ریز کھیلوں کی یادگاریں ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور کھیلوں کا شمار بھی ایسے مقابلوں میں کیا جاتا ہے جو اپنی ابتدا میں انتہائی سفاک بلکہ درندگی اپنے اندر سموئے ہوئے تھے۔ تاہم کرکٹ وہ کھیل ہے جو اپنے آغاز سے ہی شرفا اور معززین کا کھیل رہا ہے۔ کسی وقتوں میں کرکٹ کا مفہوم دیانت داری سے تعبیر تھا اور کھلاڑی آؤٹ ہونے پر امپائر کے اشارے سے قبل ہی اپنی کریز چھوڑ چکا ہوتا تھا۔ اسپورٹس مین اسپرٹ اس کھیل کا خاصہ تھی۔ پھر کرکٹ میں کمرشل ازم در آیا اور یہیں سے مختلف خرابیوں کا آغاز ہوا۔ اب کرکٹ کے مقابلوں کے دوران بیک وقت دو مقامات پر کھیل ہو رہا ہوتا ہے، ایک جسے دنیا بھر کے افراد دیکھ رہے ہوتے ہیں اور دوسرا وہ جو بنگلوں میں شطرنج کی بساط پر کھلاڑیوں کو بے جان مہروں کی طرح اپنی ہدایت کے مطابق استعمال کر کے کھیلا جاتا ہے۔

کاشف زبیر نے اس خوب صورت داستان میں کرکٹ کے ان دونوں مقابلوں کی کہانی کو نہایت ماہرانہ انداز میں قلم بند کیا ہے۔

سرخ چمکیلی بال نے کسی حسینہ کی کمر کی طرح نازک بل کھایا اور آہستگی سے پچ پر گری پھر جو ہوا وہ نہ تو اطہر وقار کے وہم و گمان میں تھا اور نہ ہی بیٹسمین شہریار خان کے۔ بال نے ٹھیک لیگ اسٹمپ سے ذرا باہر ٹپا کھایا اور اس کے بعد ایک لمبا اور شارپ اسپن لیا۔ شہریار خان منجھا ہوا بیٹسمین تھا۔ وہ لیگ اسپن بھانپ کر فرنٹ فٹ پر گیند کو گلانس کرنے آیا اور بال نے پلک جھپکنے میں آف اسٹمپ اڑا دی۔

"بیوٹی فل!" اطہر وقار کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ یہ ایک ورلڈ کلاس گیند تھی۔ جو کسی بھی بیٹسمین کو آؤٹ کر سکتی تھی۔

ایک کمرشل بینک کی جانب سے لگائے جانے والے اس ٹیلنٹ ہنٹ کیمپ کا یہ تیسرا اور آخری دن اور آخری دن کا آخری سیشن تھا۔ بینک ہر سال کیمپ لگاتا تھا۔ تاکہ نئے ٹیلنٹ کو تلاش کیا جاسکے لیکن ہوتا یہ تھا کہ کیمپ منتظمین اور بینک افسران کی ملی بھگت سے بھانجے، بھتیجے بھرتی کرلیے جاتے تھے۔ جن میں سے بعض کی کرکٹ صرف بلا پکڑنے اور گیند گھما کر بلے باز کی طرف پھینکنے تک محدود تھی۔ چند میچوں کے بعد ان کی صلاحیتوں کا پول کھل جاتا اور اس کے بعد انہیں میچ تو نہیں کھلائے جاتے لیکن اعلیٰ افسران کی وجہ سے بینک سے بھی نہیں نکالا جاسکتا تھا۔ مجبوراً انہیں دوسرے شعبوں میں کھپا کر نیا ٹیلنٹ تلاش کیا جاتا۔ یوں رہ جانے والے بھانجے بھتیجوں کو بھی موقع ملتا رہتا تھا۔ بینک والوں نے اسے بھانجے بھتیجے ہنٹ کیمپ کہنا شروع کردیا تھا اور پی بی ایچ سی کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بینک کی کرکٹ ٹیم کی کارکردگی ملک کی اقتصادی حالت کی طرح سال بہ سال خراب ہوتی چلی گئی۔

ایک زمانے میں بینک کی مضبوط ٹیم کو شکست دینے کے تصور سے ہی دوسری ٹیموں کو پسینہ آنے لگتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بینک کی تقریباً پوری بیٹنگ لائن اس زمانے میں پاکستانی ٹیم کی طرف سے کھیلتی تھی۔ حتیٰ کہ قومی ٹیم کا کپتان بھی بینک کی ٹیم کا کپتان ہی تھا۔ اگر کسی میچ میں شکست نظر آنے لگتی تو پھر دوسرے حربے استعمال کیے جاتے اور امپائروں کے بعض محیر العقول فیصلوں کی بنا پر بینک میچ ہارتے ہارتے جیت جاتا۔ اس پر تھوڑا بہت شور مچتا تھا لیکن بینک کے ناقابلِ شکست رہنے کا ریکارڈ بھی قائم رہتا۔ ویسے بھی شکست خوردہ کی کون سنتا ہے۔ ہڈی نہ ملنے پر کتے بھونکا ہی کرتے ہیں۔ ان کی پروا کون کرتا ہے۔ سال میں ہونے والے تین میں سے کم سے کم دو ٹورنامنٹ بینک کے حصے میں آتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ دوسرے بینک اور ادارے بھی کامیابی کے گر جان گئے۔ انہوں نے زیادہ معاوضے اور اچھے عہدے کا لالچ دے کر بینک کے کھلاڑیوں کو توڑ لیا۔ نیا ٹیلنٹ حاصل کیا۔ امپائروں سے معاملات طے کیے۔ گراؤنڈ مین سے مک مکا کر کے اپنی مرضی کی وکٹ تیار کرائی جاتی اور اس پر بھی میچ کا نتیجہ حسب منشا نہ نکلتا تو کوئی نہ کوئی جھگڑا کر کے میچ سے واک آؤٹ کرلیا جاتا۔

دوسری طرف بینک افسران اپنے بھانجے بھتیجوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے آگے مجبور تھے۔ جن کی کھیپ ہر سال بڑھتی جارہی تھی۔ کرکٹ کی مقبولیت میں افراطِ زر کی طرح اضافے نے نئی نسل کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ اچھے خاصے عاشق مزاج لڑکے جو پہلے ہاتھ میں پھول یا محبت نامہ لیے در محبوب کے چکر کاٹتے نظر آتے تھے اب ہاتھ میں بلا تھامے کشاں کشاں کرکٹ کے میدان کی طرف رواں نظر آتے۔ شام ہوتے ہی ننھے بچے بلا گیند ہاتھ میں لیے یوں گلیوں میں نکل آتے جیسے بارش کے بعد کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں۔ پوری قوم کرکٹ بخار میں مبتلا نظر آنے لگی تھی اور ۱۹۹۲ء کے ورلڈ کپ کی فتح کے بعد یہ بخار بگڑ کر ٹائیفائڈ میں بدل گیا جس سے جان بر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

بالآخر بینک کے صدر کو ٹیم کی زبوں حالی کا احساس ہوگیا۔ اس نے بینک کی ٹیم کے کوچ اطہر وقار کو بلا کر آئندہ سمر کیمپ کا بااختیار انچارج مقرر کرتے ہوئے کہا "مسٹر اطہر، اس دفعہ سلیکشن رائٹ ہونی چاہیے۔ کوئی ٹیڈی بیئر نہیں آنا چاہیے۔ یو نو آئی ڈونٹ وانٹ اینی ٹیڈی بیئر۔"

"جی سر۔" اطہر وقار بولا۔ ظاہری سکون کے برعکس اس کی اندر سے حالت کسی قدر خراب تھی کیونکہ وہ سابقہ "ٹیڈی بیئرز" کے انتخاب میں شامل رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ ٹیم کا کوچ تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے خود بھی ان نکمے کھلاڑیوں کو لیتے ہوئے شدید کوفت ہوتی تھی مگر وہ بینک کے کار پردازوں سے بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ اس کی کوئی پکی نوکری تو نہیں تھی۔ وہ محض ایک کوچ ہی تھا۔ جس کی کسی وقت بھی چھٹی کی جاسکتی تھی۔ باوجود اس کے کہ اس کا سسر بینک کا سینئر نائب صدر ہو چکا تھا۔ اور اس بات کا امکان تھا کہ مستقبل میں اسے بینک کا صدر بنا دیا جائے لیکن یہ حقیقت سب ہی جانتے تھے کہ طاقت صدر کے پاس نہیں بلکہ بینک بیوروکریسی کے پاس ہوتی ہے۔ یہی سوچ کر اطہر وقار ڈمی ٹیلنٹ سلیکٹ کرتا رہا۔

مگر جب صدر نے اسے خود بلا کر مکمل اختیارات دیے تو اسے کہنا پڑا "سر میں بہرحال اسپورٹس ڈویژن انچارج کے ماتحت کام کرتا ہوں اور وہ مجھے تبدیل کرنے کا مجاز ہے۔"

"شٹ دی ربش۔" بینک کا صدر جنگل کے شیر کی طرح دہاڑا "تم میرے مقابلے میں اس دو ٹکے کے شخص کو اہمیت دے رہے ہو۔ مسٹر اطہر وقار آئی وانٹ ٹوٹلی کلیئر سلیکشن نتھنگ ٹیڈی بیئر ڈو یو انڈراسٹینڈ وڈمی؟"

"یس سر۔" اطہر وقار نے دل ہی دل میں بینک کے صدر کو بے نقط سناتے ہوئے کہا۔ جو صدر بن کر خود کو جنگل کا بادشاہ سمجھنے لگا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ جنگل میں اس کے علاوہ بھی کئی خطرناک جانور تھے۔ جو کمزور جانوروں کے لیے اس سے زیادہ خطرناک تھے کیونکہ وہ گروہ بنا کر شکار کھیلتے تھے۔ اس کے بعد اطہر وقار نے کوشش کی کہ بیماری کا بہانہ کرکے چھٹی لے لے اور کیمپ کا چارج کسی اور کے سر منڈھ دیا جائے۔ مگر کوئی بھی اس اوکھلی میں سر ڈالنے کو تیار نہیں تھا۔ بادل ناخواستہ اس نے کیمپ شروع کیا۔ جو بینک کے اپنے کرکٹ گراؤنڈ پر لگتا تھا۔ اس سال بینک کو ایک فاسٹ بالر، ایک اچھے اسپنر اور ایک عدد وکٹ کیپر کی ضرورت تھی کیونکہ پرانا اور منجھا ہوا وکٹ کیپر دوسرے بینک میں چلا گیا تھا۔ ریزرو وکٹ کیپر جو اتفاق سے بینک کے ایک اے وی پی کا بھانجا تھا اور ماموں کی محبت کے سہارے یہاں تک چلا آیا تھا۔ بدقسمتی سے اسے وکٹ کیپنگ بالکل نہیں آتی تھی۔ کھیل کے معاملے میں وہ آل راؤنڈر تھا۔ یعنی بالنگ، بیٹنگ اور فیلڈنگ سب میں زیرو۔ مگر سلیکشن کے دنوں میں وکٹ کیپر کے متبادل کی جگہ خالی تھی لہٰذا اسے سیکنڈ وکٹ کیپر کے طور پر بھرتی کرلیا گیا۔ کیونکہ بینک کا اصل وکٹ کیپر امتیاز احمد بالکل فٹ تھا لہٰذا کبھی اسے آزمانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی اور جب امتیاز اچانک ہی بینک کو داغ مفارقت دے گیا تو بھانجے وکٹ کیپر کو اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کا موقع ملا اور اس نے نہ صرف اپنی ٹیم بلکہ مخالف ٹیم اور گنتی کے چند تماشائیوں کو بھی حیران کردیا۔ جو قومی ٹیم کے اسٹارز کو دیکھنے کے شوق میں اسٹیڈیم تک چلے آئے تھے۔

بھانجے وکٹ کیپر نے تواتر سے کیچ چھوڑنے کا سلسلہ شروع کیا جو اننگ کے خاتمے تک جاری رہا۔ ساتھ ہی اس نے بائی کے رنز دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس نے مخالف ٹیم کے ہر کھلاڑی کا کیچ گرایا۔ مجموعی طور پر اس کی کارکردگی اتنی نمایاں تھی کہ اسے خدشہ محسوس ہوا کہ اپنے ڈریسنگ روم میں جانے کی صورت میں اس کے ساتھی اسے زبردست "داد" دیں گے۔ لہٰذا وہ مخالف ٹیم کے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ جہاں اس کا گرم جوشی سے استقبال ہوا۔ اس کی بدولت انہوں نے ایسی پچ پر جہاں بال سوئنگ بھی ہورہی تھی اور اسپن بھی۔ پہلی اننگ میں مجموعی طور پر تین سو انیس رنز بنالیے تھے۔

اس کی بدولت ہر کھلاڑی نے دو دو باریوں کا لطف اٹھایا اور مخالف ٹیم کے سنچری میکر کے اس نے دو کیچ چھوڑے تھے۔

اس سیزن میں کوشش کے باوجود بینک کی ٹیم کو کوئی اچھا وکٹ کیپر نہیں مل سکا اور بھانجے وکٹ کیپر کی عبرت ناک کارکردگی کے پیش نظر اسے اَن فٹ قرار دے کر ٹیم کے سب سے اچھے فیلڈر سے وکٹ کیپنگ کرائی جاتی رہی۔ جسے اگرچہ وکٹ کیپنگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن اس کی کارکردگی بھانجے وکٹ کیپر سے بدرجہا بہتر تھی۔

ابھی کیمپ شروع ہی ہوا تھا کہ اعلیٰ افسران کی طرف سے سفارشیں آنے لگیں۔ اطہر وقار نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ اس بار سفارشی کھلاڑیوں کا کوئی موقع نہیں ہے کیونکہ بینک کے صدر خود اس معاملے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

"تم بینک کے صدر کو مارو گولی۔ اسے ہم دیکھ لیں گے۔ بس تم میرے بندے کو سلیکٹ کرلو۔" ایک اے وی پی نے کہا۔

اطہر وقار صاف انکار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ آخر اسے اسی دریا میں رہنا تھا جس کے یہ مگرمچھ تھے۔ لہٰذا اس نے جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا کہ کیمپ کے موقع پر دیکھا جائے گا۔ کیمپ میں عموماً سو سوا سو نوجوان کھلاڑیوں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ جن کی عمریں بیس سال سے زیادہ نہ ہوں اور انہوں نے کوئی فرسٹ کلاس میچ نہ کھیلا ہو۔ اس کے باوجود اطہر وقار نے کیمپ میں بعض ایسے "لڑکے" بھی دیکھے جن کے سر کے بال سفید ہورہے تھے اور وہ اب فرسٹ کلاس کرکٹ کے قابل نہیں رہے تھے اور ان کے برتھ سرٹیفکیٹ پر عمر اٹھارہ انیس سال لکھی ہوتی تھی۔ اطہر نے ایک ایسے ہی "لڑکے" کو پکڑلیا۔

"تم انیس سال کے ہو؟" اس نے بغور اس کے سر کے سفید ہوتے بالوں کو دیکھا۔

"جی سر۔" اس نے کھسیا کر کہا "دراصل میں بچپن سے نزلے کا مریض ہوں۔ اسی لیے بال سفید ہوگئے۔"

"میرے معمر بچے ایسا کرو کہ تم گھر جاکر آرام کرو اب اس عمر میں کرکٹ کھیلو گے تو نزلہ نمونیہ میں بدل جائے گا۔"

خوش قسمتی سے وکٹ کیپنگ کے لیے صرف تین امیدوار آئے تھے اور ان میں سے کوئی سفارشی نہیں تھا۔ اطہر وقار کو ایک اچھے نوجوان اور پھرتیلے وکٹ کیپر کے

انتخاب میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہی معاملہ فاسٹ بالر کے سلسلے میں پیش آیا شارق نامی نوجوان فاسٹ بالر کے سامنے سب ہی سفارشیوں کا چراغ گل ہوگیا تھا۔ ایک تو مقابلہ کم تھا۔ دوسرے اس کی رفتار اور لائن و لینتھ دوسرے تمام بالروں سے بہتر تھی۔ البتہ جب معاملہ اسپنرز کا پیش آیا تو اطہر وقار کو صحیح معنوں میں پسینے آگئے۔ ایک تو اسپنرز کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور پھر ان میں سے اکثر سفارشی تھے۔ اطہر وقار ایک کو منتخب کرتا تو دوسرے کے ماموں یا چچا ناراض ہوجاتے۔ یہاں ایک انار اور سو بیمار والا معاملہ تھا۔

لیکن کسی ایک کو منتخب تو کرنا ہی تھا۔ اطہر وقار نے پہلے اسپنرز کی درجہ بندی کرلی۔ آف اسپنرز ایک طرف کردیے اور لیگ اسپنر دوسری طرف۔ لیفٹ آرم اسپنرز کا گروپ الگ تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ ان اسپنرز کو آزمانے کے لیے اس کے علاوہ صرف ایک بیٹسمین شہریار خان دستیاب تھا۔ وہ پچھلے ہی سیزن میں بینک کی طرف سے کھیلنے آیا تھا اور اس نے رنز کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ چھ سنچریاں اور دس نصف سنچریاں۔ وہ رنز اور اوسط کے لحاظ سے سرفہرست رہا تھا اور اس کی وجہ سے بینک کی کارکردگی اتنی اچھی رہی تھی کہ وہ نہ صرف قائداعظم گریڈ ٹو سے گریڈ ون میں آگئی تھی بلکہ اس نے ون ڈے ٹورنامنٹ بھی جیت لیا تھا۔ شہریار خان کو فوراً اے وی پی یعنی اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ کی پوسٹ مل گئی۔ اتفاق سے اطہر وقار بھی اسی عہدے پر کام کررہا تھا اور چند ہی دنوں میں شہریار خان کی اس سے گاڑھی چھننے لگی تھی۔ لہٰذا جب اطہر وقار نے کیمپ کے لیے ٹیم کے بیٹسمینوں سے رجوع کیا تو سوائے شہریار خان کے کوئی آنے کو تیار نہیں ہوا۔ باقی نے کانوں کو ہاتھ لگالیا۔

”ابھی ہمیں پاگل کتے نے نہیں کاٹا ہے جو اس قیامت کی گرمی میں احمق قسم کے بالروں کی الٹی سیدھی گیندیں کھیلیں۔“

”اور مجھے غالباً پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے۔“ اطہر وقار نے تلخی سے کہا تھا۔

اطہر وقار لانڈھی کی ایک غریب بستی سے تعلق رکھتا تھا۔ باپ کے زور دینے پر رو پیٹ کر اس نے انٹر کرلیا اور آگے پڑھنے سے صاف انکار کردیا۔ اس کے باپ کو کرکٹ نامی کھیل سے جتنی چڑ تھی۔ اس کا اکلوتا بیٹا اس کھیل کا اتنا ہی دیوانہ تھا۔ اس کی صبح کرکٹ سے ہوتی تھی اور شام بھی کرکٹ سے۔ اس کی مرمت بھی اکثر کرکٹ بیٹ سے ہوتی تھی۔ جب وہ شام گئے بلا بغل میں دبائے گھر میں داخل ہوتا۔ اس کا تباہ حلیہ اور گرد آلود چہرہ دیکھ کر باپ کو خواہ مخواہ ہی طیش آجاتا تھا۔ باپ سے پٹ کر وہ غسل فرماتا اور ماں سے کھانا طلب کرتا۔ کھانے کے دوران وہ پوری دل جمعی سے ماں کی نصیحتیں سنتا جیسے فی الفور ان پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ ہو۔ مگر کھانا کھا کر وہ بستر پر گرتا تو اگلے روز سے اس کے وہی معمولات ہوتے۔

وقار صاحب کی جنرل اسٹور کی دکان تھی۔ ابتدا میں ایک سرکاری محکمے میں کلرک رہے تھے اور رشوت نہ لینے کی پاداش میں نوکری سے نکالے گئے۔ الزام رشوت لینے کا تھا۔ جس کے گواہ وہ لوگ تھے۔ جن کے جسم کا ایک ایک خلیہ حرام کھانے کا عادی ہوچکا تھا۔ انہوں نے روزگار کے لیے دکان کرلی۔ محنت اور ایمان داری کی وجہ سے معمولی پیمانے پر شروع ہونے والا اسٹور اب علاقے کا سب سے بڑا اسٹور تھا۔ لوگ ان کے اسٹور سے مال لیتے تھے اور صرف مجبوری کے عالم میں کسی دوسرے اسٹور کا رخ کرتے تھے۔ وقار صاحب قیمت دوسروں سے کم لیتے تھے اور ان کے سامان کا معیار ہمیشہ ایک نمبر ہوتا تھا۔ جتنے کا ان کے اسٹور میں سامان تھا اتنی ہی مالیت اس کی گڈول کی تھی۔ کچھ افراد نے اس سے بھی دگنے دام کی پیشکش کی لیکن وقار صاحب نے اسٹور بیچنے سے ہمیشہ انکار ہی کیا۔ اول تو وہ رزق حلال کھانا چاہتے تھے۔ بے شک فکسڈ ڈپازٹ میں رقم جمع کرا کے وہ اتنی ہی آمدنی کچھ کیے بغیر بھی حاصل کرسکتے تھے لیکن یہ ان کے نزدیک سود تھا۔ جو رشوت سے زیادہ بدتر ہوتا ہے۔ دوسرے ان میں اس عمر میں ایک نئی دکان قائم کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ تیسرے انہیں معلوم تھا کہ لوگ ان کی گڈول سے فائدہ اٹھانا چاہ رہے تھے۔

وہ گاہکوں کو ناقص اور مہنگا سامان دیتے۔ یہ غریب افراد کی بستی تھی۔ جن کی قوتِ خرید پہلے ہی محدود تھی اور ضرورت کی کئی اشیاء وقار صاحب ایسے لوگوں کو جو بمشکل زندگی کی گاڑی کھینچ رہے تھے برائے نام منافع پر دیتے تھے۔ ایسے لوگ پھر یہی اشیا مہنگے داموں خریدنے پر مجبور ہوجاتے۔ ایک زمانے میں وقار صاحب نے کو آپریٹو اسٹور کھولنے کی کوشش کی تھی جو سرمائے کی کمی کے باعث ناکام رہی تھی۔ انہیں امید تھی کہ اطہر پڑھ لکھ کر اسٹور کو زیادہ بہتر طریقے سے چلا سکے گا۔ مگر اس نے صاف انکار کردیا۔

”میں نے نہیں کرنی یہ دو دو روپے کی دکان داری۔“

”اچھا تو لاٹ صاحب کیا کریں گے؟“ باپ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”میں کرکٹر بنوں گا۔“ اطہر وقار نے جرأت مندی سے

کہا اور گھر سے بھاگ گیا۔

وہ اچھا بیٹسمین تھا اور ایک اچھے کلب کی جانب سے کھیلتا تھا۔ ٹیموں میں اس کی بہت مانگ تھی پھر خوش قسمتی سے ایک سابق فرسٹ کلاس کرکٹر اس مہربان ہو گیا اور رضاکارانہ طور پر اس کی کوچنگ کرنے لگا۔ اطہر وقار کی بیٹنگ پر نکھار آگیا اور اس کی کارکردگی اخباروں اور کھیلوں کے جرائد میں آنے لگی۔ کئی بار اس کی تصویر بھی لگی۔ ایک جمعے کو اس کے کلب کا میچ سٹی جیم خانہ سے تھا۔ جس سے کئی فرسٹ کلاس اور ٹیسٹ کرکٹر کھیلتے تھے۔ میچ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے گراؤنڈ پر تھا۔ اور صرف وی آئی پی شخصیات میچ دیکھنے کے لیے مدعو تھیں۔ ان ہی میں بینک اے وی پی شفقت علی اس کی بیوی اور بیٹی شائلہ بھی تھی۔ جسے پیار سے شمی کہتے تھے۔ شوخ، حسین اور چنچل۔ پویلین میں موجود حضرات اور کھلاڑیوں کی توجہ میچ سے زیادہ اس پر تھی اور وہ بے نیازی سے اس توجہ کو خراجِ حسن سمجھ کر وصول کر رہی تھی۔

شفقت علی جو مہمانِ خصوصی بھی تھا۔ جب اس کا کھلاڑیوں کا تعارف کرایا جارہا تھا تو شمی بھی اس کے ساتھ تھی۔ اطہر وقار کی باری آنے پر کپتان نے شفقت علی سے کہا "یہ ہمارے سب سے پروسینگ بیٹسمین ہیں۔ اطہر وقار۔ چھکے زبردست لگاتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ کچھ عرصے بعد یہ فرسٹ کلاس کرکٹ کھیل رہے ہوں گے۔"

شفقت علی سے زیادہ شمی نے دلچسپی سے اس ہینڈسم اور خوش شکل نوجوان کو دیکھا جو سعادت مندی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ شفقت علی نے خوش مزاجی سے کہا "اچھا تو آج ان کی بیٹنگ اور سکسرز دیکھ لیں گے۔"

تعارف کے بعد میچ شروع ہوا۔ اطہر وقار کی ٹیم نے ٹاس جیت لیا اور مخالف ٹیم کو بیٹنگ کی دعوت دی تاکہ اس کے فاسٹ بالر صبح کی نمی کا فائدہ اٹھا سکیں۔ میچ چالیس چالیس اوورز کا تھا لیکن فاسٹ بالر اتنا فائدہ نہ اٹھا سکے۔ پہلے دس اوورز میں مخالف ٹیم نے دو وکٹیں تو گنوائیں مگر ۲۷ رنز بھی بنا لیے۔ بعد میں آنے والے بلے باز کھل کر کھیلے اور جب چالیس اوورز پورے ہوئے تو مخالف ٹیم سٹی جیم خانے نے صرف چار وکٹوں کے نقصان پر دو سو بیاسی رنز بنا لیے تھے یعنی انہیں تقریباً سات رنز فی اوور کی اوسط سے رنز درکار تھے۔ لنچ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں تھا۔ اتفاق سے اطہر وقار کو جس میز پر جگہ ملی وہاں شفقت علی اور شائلہ موجود تھے۔ اطہر نے پہلی بار ایک خوب صورت لڑکی کو اتنے نزدیک سے دیکھا تھا اور وہ خاصا گھبرایا ہوا تھا۔ شائلہ اس کی گھبراہٹ دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی اور جان بوجھ کر اسے تنگ کر رہی تھی۔ مثلاً وہ قورمہ کھا رہا تھا۔ اس نے اچانک پڈنگ اطہر کی طرف بڑھا دی۔

"اور لیجیے ناں۔"

اور اطہر نے بوکھلاہٹ میں قورمے کی پلیٹ میں پڈنگ ڈال لی۔ اس پر زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ شکر کی بات تھی کہ اس کے ساتھی اس سے دور میزوں پر بیٹھے تھے ورنہ اس کا صحیح طریقے سے مذاق اڑتا۔ شفقت علی نے پہلے شائلہ کو ڈانٹا پھر اطہر سے معذرت کی "خیال نہ کرنا نوجوان۔ یہ ایسی ہی شرارتی ہے۔"

"میں نے برا نہیں منایا۔" اطہر آہستگی سے بولا حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ پڈنگ اور قورمے کی یہ مکس پلیٹ اس لڑکی کے سر پر الٹ دے جو اپنے باپ سے کہہ رہی تھی۔

"پاپا، یہ آج ہمیں سکس مار کر دکھائیں گے۔"

"بیٹا یہ تو ان سے ہی پوچھو۔" شفقت علی نے کھانے کے اختتام پر رومال سے منہ صاف کیا۔

"کیوں جناب، آپ آج چھکے لگائیں گے۔"

"میری کوشش ہوگی۔ باقی جو تقدیر کو منظور۔" اطہر اپنی گھبراہٹ پر کسی حد تک قابو پا چکا تھا۔

"اچھا دیکھیں گے۔" اس نے کہا تو اطہر کو محسوس ہوا کہ وہ اسے چیلنج کر رہی ہے۔

لنچ کے بعد اطہر کی ٹیم کے دونوں اوپنرز پیڈ باندھے اور بلا تھامے گئے اور پانچویں اوور تک واپس آگئے۔ اسکور محض ۲۰ تھا۔ جب تیسرے کھلاڑی کے آؤٹ ہونے پر اطہر کریز تک پہنچا تو اسکور آٹھ اوورز میں صرف ۳۵ رنز تھا اور مطلوبہ رن ریٹ آٹھ رن فی اوور سے بھی بڑھ گیا تھا۔ اطہر نے دو اوورز تک پچ اور مخالف بالروں کا جائزہ لیا۔ پھر گیارہویں اوور میں نئے فاسٹ بالر کو مڈ آن پر چھکا اور لانگ لیگ پر چوکا رسید کیا۔ خاموش تماشائیوں میں جیسے یک دم جان آگئی تھی۔ اطہر نے واضح طور پر شائلہ کی آواز سنی جو چیخ کر کہہ رہی تھی "ونس مور، ونس مور۔"

پانچ اوور میں اس نے مزید بیالیس رنز بنائے اور پندرہ اوورز میں اسکور ۸۷ تک پہنچا دیا۔ جو کسی قدر بہتر کارکردگی تھی مگر اس کے بعد جیسے وکٹوں کی جھڑی لگ گئی۔ اطہر بے بسی سے وکٹ کے ایک طرف کھڑا دوسری طرف سے اپنے ساتھیوں کی پویلین واپسی کا منظر دیکھتا رہا۔ ۹۰ پر چوتھی، ۱۰۲ پر پانچویں اوور ۱۱۹ پر تو لگاتار دو وکٹیں گر گئیں اور اب ٹیل اینڈرز شروع ہو چکے تھے۔ لہٰذا اطہر وقار نے دونوں طرف سے کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ آخری بیس اوور میں جیت کے لیے ۱۹۰

رنز درکار تھے اور صرف تین وکٹیں باقی رہ گئیں تھیں۔ اس وقت اطہر کا ذاتی اسکور ۶۲ تھا۔ وہ کوشش کرتا کہ پورا اوور خود کھیلے۔ کم از کم ایک چوکا یا چھکا مارے۔ سنگل وہ نہیں لے رہا تھا۔ سوائے آخری گیند کے۔ اس کی یہ پالیسی کسی حد تک کامیاب رہی۔ اب وکٹیں نہیں گر رہی تھیں لیکن رنز بننے کی رفتار سست ہوگئی تھی۔ اگلے دس اوورز میں صرف ۶۵ رنز بنے اور اب آخری دس اوورز میں جیتنے کے لیے ۹۵ رنز چاہئیں تھے۔ اطہر سنچری مکمل کرچکا تھا۔ ٹی جیم خانہ کا کپتان اس کی حکمت عملی سے پریشان نظر آنے لگا تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے کئی بالرز تبدیل کیے مگر وہ اطہر کو آؤٹ نہ کرسکا۔

جہاں تک ذاتی پرفارمنس کا تعلق تھا۔ وہ اس نے سنچری بنا کر پوری کردی تھی۔ اب اس کی تمام توجہ میچ جیتنے پر مرکوز تھی۔ لہٰذا اس نے کھل کر کھیلنا شروع کردیا۔ اس کے باوجود آخری پانچ اوورز میں دس رنز فی اوور کی اوسط سے پچاس رنز تھے اور آٹھ کھلاڑی آؤٹ ہوچکے تھے۔

چھتیسویں اوور میں اطہر نے فاسٹ بالر کو لگاتار دو چوکے مارے لیکن پھر وہ مزید کوئی رن نہیں بنا سکا تھا۔ اور آخری بال پر رن بھی نہ لے سکا۔ اب ان کی ٹیم کے لیگ اسپنر کو کھیلنا تھا۔ جس کی بیٹنگ صفر سے کچھ ہی اچھی تھی۔ اس نے تین بالیں روک لیں اور چوتھی بال بلے کی ایج لے کر تھرڈ مین کی طرف نکل گئی۔ دو رن آسانی سے بن سکتے تھے مگر اطہر نے ایک ہی لیا۔ اگلی گیند کو اس نے کور پر اٹھا کر کھیلا ٹائمنگ پرفیکٹ تھی اور بال باؤنڈری سے باہر جاگری۔ اس سے اگلی بال پر اس نے تھرڈ مین کی طرف ایج کرکے سنگل لینے کی کوشش کی مگر گیند اس کی توقع سے زیادہ سوئنگ ہوتی اندر آئی اور بلے کا اندرونی کنارہ لیتی وکٹوں کے عین اوپر سے لانگ لیگ کی طرف نکل گئی۔ چوکا تو ہوگیا۔ مگر اسٹرائک ایک بار پھر! سپنر کے پاس چلا گیا۔ یہ اوور کرانے ٹی جیم خانہ کا سب سے تیز بالر آیا۔ کپتان نے اسے سمجھایا کہ اسپنر کو آؤٹ کرنے کے بجائے اسے کھلائے۔ تاکہ بالیں ضائع ہوں۔ اسپنر پہلی تین بالوں کو چھو بھی نہیں سکا تھا۔ دو بالیں اس نے بلے سے کھیلیں مگر کوئی رن نہیں بنا سکا اور آخری بار وہ ایل بی ڈبلیو ہوکر پویلین کے لیے رخصت ہوگیا۔ اب اطہر کو اگلے دو اوورز میں ۳۱ رنز بنانے تھے۔

کیونکہ آخری کھلاڑی رہ گیا تھا لہٰذا اس نے لانگ ہینڈل استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بالر کوئی خاص نہیں تھا۔ اس کی پہلی شارٹ پچ گیند کو اطہر نے بہ آسانی مڈ وکٹ پر باؤنڈری سے باہر پھینک دیا۔ اگلی بال کو پوائنٹ پر کھیل کر تیزی سے دو رن لیے اور آؤٹ ہوتے ہوتے بچا۔ اگلی بال کو اس نے بھرپور قوت سے ڈرائیو کیا اور گیند گولی کی طرح لانگ آف اور مڈ آف کے درمیان سے نکل گئی۔ اگلی پر کٹ کیا۔ مگر پوائنٹ پر کھڑے فیلڈر نے یقینی چوکا روک لیا۔ اس سے اگلی گیند سیدھی تھرڈ مین کے پاس گئی اور ایک ہی رن بنا سکا۔ اطہر نے اپنے ساتھی کو سمجھایا کہ اس نے صرف اپنی وکٹ بچانی ہے۔ اس نے عقل مندی سے آخری بال روک لی۔

آخری اوور وہی فاسٹ بالر شاہد کرا رہا تھا۔ جس نے پچھلا اوور میڈن کرایا تھا اور اطہر جانتا تھا کہ وہ حقیقتاً ایک اچھا فاسٹ بالر تھا۔ اور صرف اس وجہ سے قومی ٹیم تک رسائی سے محروم رہا تھا کہ ایک ان لکھا قانون تھا جس کے مطابق فاسٹ بالر صرف ایک خاص خطے سے لیے جاتے تھے۔ وہ ریورس سوئنگ کا بھی ماہر تھا اور بال خاصی پرانی ہوچکی تھی۔ اس کی پہلی گیند ہی غیر معمولی سوئنگ لیتی اندر آئی۔ اطہر پہلے سے ہی تیار تھا۔ اس نے پیروں کو معمولی سی جنبش دی اور گیند کو ہلکا سا گلانس کیا باقی کام گیند کی رفتار نے پورا کردیا۔ لانگ لیگ کا فیلڈر سرتوڑ کوشش کے باوجود گیند کو روکنے میں ناکام رہا۔ اب پانچ بالوں پر چودہ رنز درکار تھا۔ کم از کم تین باؤنڈریاں چاہیے تھیں۔ خوش قسمتی سے اگلی بال فل ٹاس تھی جسے بالر کے سر کے اوپر سے کھیلنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اب تین گیندوں پر دس رنز کی ضرورت تھی۔ میچ انتہائی سنسنی خیز مرحلے میں تھا۔ تماشائی پوری طرح دلچسپی لے رہے تھے۔ اس سے اگلی بال بالر کے ہاتھ سے نکلتے ہی اطہر نے بھانپ لی تھی۔ یہ پرفیکٹ گڈ لینتھ گیند تھی۔ جسے اطہر نے آگے بڑھ کر کرڈ آف پر ڈرائیو کیا۔ گیند تیزی سے باؤنڈری کی طرف لپکی۔ اطہر نے انتہائی تیز رننگ کی۔ اس نے دو رن لیے تھے اور تیسرے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر حسب عادت وہ دو قدم پلٹا جسے اس کے ساتھی نے تیسرے رن کا اشارہ سمجھا اور بغیر سوچے دوڑنا شروع کردیا۔ اطہر جب تک اسے منع کرتا وہ اس کے برابر ہی آچکا تھا۔ مجبوراً اطہر کو دوڑنا پڑا۔ ورنہ ان میں سے کوئی رن آؤٹ ہوجاتا۔ اب وہ بے بسی سے بالر اینڈ پر کھڑا تھا۔ ٹی جیم خانہ کے کپتان نے سنگل روکنے کے لیے اپنی پوری ٹیم اوپر بلالی تھی۔ شاہد نے دوڑنا شروع کردیا۔ جیسے ہی اس نے بال کرائی اطہر نے بھاگنا شروع کردیا۔ بلے باز نے بلا گھمایا اور گیند بلے سے ملے بغیر وکٹ کیپر کے پاس جا پہنچی۔ جب اس نے اطہر کو آتے دیکھا تو خود بھی بھاگنے لگا۔ وکٹ کیپر نے احمقانہ انداز میں بال اسٹرائیکر اینڈ پر وکٹوں پر ماری جبکہ اطہر پہنچ چکا تھا۔ اب وہ آخری بال کھیل سکتا تھا۔ اطہر نے پہلی بار اس بالر کو نروس دیکھا۔ وہ خود کو پرسکون محسوس کررہا تھا۔ شاہد نے

دوڑنا شروع کیا۔ کریز کے قریب آکر اس نے پوری قوت سے ہاتھ گھمایا۔ مگر اطہر کو فوراً احساس ہوگیا کہ گیند اس رفتار سے نہیں آرہی تھی جس رفتار سے آنی چاہیے تھی۔ یہ ایک پرفریب سلوون بال تھی۔ اطہر نے جسم کو متوازن کیا۔ بلا پیچھے اٹھایا۔ جیسے ہی گیند نے ٹپا کھایا اس نے بلا گھمایا۔ گیند ہوا میں بہت اوپر گئی۔ مڈ آن کا فیلڈر اس کے نیچے آنے لگا۔ وہ بالکل باؤنڈری پر کھڑا تھا۔ اطہر خاموشی سے کھڑا گیند کو نیچے آتے دیکھ رہا تھا۔ سب نے جیسے سانس روک لی تھی۔ ایسا سناٹا ہوگیا تھا کہ تنکا گرنے کی آواز سنی جاسکتی تھی۔ گیند جیسے سلوموشن میں نیچے آرہی تھی۔ فیلڈر خود کو پوری طرح اس کے نیچے لاچکا تھا۔ اطہر نے مایوسی سے سر جھکا۔ گیند قریب آتے ہی فیلڈر نے دونوں ہاتھ سر کے اوپر کیے مگر عین آخری لمحوں میں اسے اپنے اندازے کی غلطی کا احساس ہوا گیند ذرا پیچھے تھی۔ اس نے کمر موڑ کر گیند کیچ کرنے کی کوشش کی اور کامیاب بھی رہا مگر ساتھ ہی لڑکھڑا کر باؤنڈری پر جاگرا تھا۔ یہ چھکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسٹیڈیم تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

اس کے تیسرے دن اطہر کو علم ہوا کہ اسے شفقت علی کے بینک کے اسپورٹس ڈویژن کے انچارج سے ملنا ہے۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ وہاں پہنچا تو بینک کی ملازمت اور ٹیم کی طرف سے کھیلنے کی پیشکش اس کی منتظر تھی۔ یہی نہیں بلکہ اسے ڈائریکٹ منیجر کی پوسٹ دی گئی تھی۔ ظاہر ہے تنخواہ بھی منیجر والی تھی۔ اطہر خوشی سے پاگل ہوگیا تھا۔ وہ برسوں سے کھیل رہا تھا اور اس سے بھی اچھی اننگز کھیل چکا تھا۔ لیکن اس اننگ نے اس کی تقدیر بدل دی تھی یہ اور بات تھی کہ اسے معلوم نہیں تھا۔ تقدیر بدلنے میں اننگ سے زیادہ شفقت علی کی بیٹی ثمائلہ کا ہاتھ تھا جس نے باپ کو مجبور کیا کہ اس نوجوان کو بینک کی ٹیم میں آنا چاہیے۔

"پاپا ہی از اے ریئلی ٹیلنٹڈ۔" اس نے کہا۔

"نو مائی سن، ہی از اے ریئلی ہینڈسم مین۔" شفقت علی نے شرارت سے کہا اور ثمائلہ جھینپ گئی۔ یہ حقیقت تھی وہ اطہر کے کھیل اور اس کی شخصیت دونوں سے متاثر ہوئی تھی۔ شفقت علی نے بھی اسے پسند کیا تھا۔ کیونکہ اس میں قومی ٹیم میں جانے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ لہٰذا اس نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا اور اطہر بغیر کسی کوشش کے بینک کی ٹیم میں آگیا۔ جب وہ یہ خوش خبری لے کر گھر پہنچا تو وقار صاحب دم بہ خود رہ گئے۔ وہ اطہر کے لیے سوچا کرتے تھے کہ موجودہ تعلیمی قابلیت کی بنیاد پر اسے چپڑاسی کی نوکری ہی مل سکتی تھی۔ یک دم وہ بینک منیجر ہوگیا تھا۔ عام آدمی کتنا ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو۔ وہ براہِ راست منیجر نہیں بن سکتا۔ اور بمشکل انٹر پاس اطہر وقار اپنی کرکٹ کی بدولت براہِ راست اس عہدے پر جا براجمان ہوا تھا۔ وقار صاحب نے فراخ دلی سے تسلیم کرلیا کہ وہ غلطی پر تھے۔ ان کے نزدیک اطہر کرکٹ کھیل کر صرف اپنا وقت ضائع کررہا تھا۔

سیزن کے آغاز کے وقت بینک نے کھلاڑیوں کو ڈنر دیا تھا۔ جو شیرٹن میں تھا۔ وہاں بینک کے اعلیٰ عہدے دار مع اہل و عیال موجود تھے۔ ظاہر ہے مفت کے ڈنر کو کون چھوڑتا ہے اور وہ بھی شیرٹن میں۔ ان میں شفقت علی بیگم اور بیٹی کے ساتھ موجود تھا۔ ثمائلہ، اطہر کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی۔ وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ایک میز پر تھا۔ "ہیلو اطہر، کانگریجولیشن۔"

"تھینک یو۔" اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ جو مارے حسد کے کباب ہورہے تھے۔ وہ برسوں سے بینک کی طرف سے کھیل رہے تھے اور کسی حسینہ نے انہیں مبارک باد نہیں دی تھی اور اس لونڈے کو آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے تھے اور بینک کے اے وی پی کی اکلوتی لڑکی اس پر مہربان نظر آرہی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہاں کوئی خالی کرسی نہیں تھی۔ ورنہ ثمائلہ وہیں بیٹھ جاتی۔ اسے دوسروں کی گھورتی نگاہوں کی قطعی پروا نہیں تھی۔ وہ انہیں جوتی کی نوک پر رکھتی تھی مگر اطہر کسی قدر پریشان تھا اسے معلوم تھا کہ ثمائلہ کی اس بے تکلفی کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اگلے روز یہ اسکینڈل خاصی دور تک پھیل چکا ہوگا اور کوئی بعید نہیں ہے کہ پریس میں بھی اس کے چرچے ہوں۔ ثمائلہ نے اطہر کے انداز میں سرد مہری محسوس کرلی تھی۔

"کیا آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا۔"

"ارے نہیں۔ یہ آپ سے کس نے کہا۔" اطہر مزید بوکھلا گیا۔ وہ اے وی پی کی بیٹی تھی اور اسے ناراض کرنا اطہر کے حق میں اچھا ثابت نہ ہوتا۔ ثمائلہ پلٹ کر چلی گئی اس کے انداز سے ناراضگی صاف محسوس ہورہی تھی۔

"کب سے چل رہا ہے یہ چکر برخوردار۔" بینک کے ایک سینیئر بالر نے اطہر کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"خدا کے واسطے راجا بھائی۔" اطہر کراہا "ابھی تو میرا کیریئر شروع ہوا ہے کیوں اسے ختم کرانے کے چکر میں ہیں۔"

یہ درست تھا کہ اس کی ٹیم میں آمد سے کئی کھلاڑی خوش نہیں تھے۔ انہیں اپنی صلاحیتوں کا پول کھل جانے کا خطرہ تھا۔ ممکن ہے بینک ان میں سے کسی کی چھٹی ہی کردیتا۔ وہ بینک کے لیے سفید ہاتھی ثابت ہورہے تھے۔ کچھ دیر بعد

ڈنر کا اعلان ہوا تو کھلاڑی اور دوسرے مہمان بوفے سے جاکر اپنی پسند کی اشیا لانے لگے۔ ڈنر کے بعد کافی سرو کی گئی۔ اطہر پیٹ میں کچھ گرانی محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے اٹھ کر ٹہلتا ہوا گیلری کی طرف جا نکلا۔ سامنے ہی اسپورٹس ڈویژن انچارج عظیم احمد اپنی ہیوی ویٹ بیوی کے ساتھ موجود تھا۔

"ہیلو ینگ مین۔" وہ بولا "بیگم ان سے ملو۔ بینک کے نئے بیٹسمین اطہر وقار۔"

"نائس ٹو میٹ یو۔" اطہر بولا۔

بیگم عظیم احمد نے بے نیازی سے اسے دیکھا "اچھا تو یہ ہیں... وہ اطہر وقار جن کی سفارش شفقت علی کی بیٹی نے کی تھی۔"

یک لخت اطہر کو محسوس ہوا جیسے اسے کسی نے بلندی سے اٹھا کر پستی میں پھینک دیا ہو۔ وہ سن نہیں سکا کہ آگے عظیم احمد نے کیا کہا اور کب وہ اس کے پاس سے گزر کر چلے گئے۔ ایک لمحے پہلے اسے اپنی صلاحیتوں پر ناز تھا۔ جن کے بل بوتے پر اس نے کتنا بلند مقام حاصل کرلیا تھا اور محض ایک جملے نے اس سے اس کا یہ مقام چھین لیا تھا۔ اس کا یقین ٹوٹ گیا تھا۔

"تو خاتون اس بنا پر مجھ سے اتنا فری ہو رہی تھیں۔" اس نے تلخی سے سوچا۔ اسی لمحے کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا وہ چونکا۔ یہ شائلہ تھی۔ اس کی صورت دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی "کیا ہوا اطہر تم ٹھیک تو ہو؟"

وہ بے خیالی میں آپ سے تم پر اتر آئی تھی۔ اطہر استہزائیہ انداز میں مسکرایا "جی میڈم آپ کا یہ خادم بالکل ٹھیک ہے۔"

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو۔ کہیں تم نے کچھ پی تو نہیں لیا۔"

عام گلی کوچوں پر پابندی لگانے والے ان وی آئی پی کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ اور یہاں بنتِ انگور عام دستیاب تھی۔ اطہر پھر مسکرایا "نہیں میڈم آپ کے خادم کو اس کا شوق نہیں ہے۔"

اس دفعہ شائلہ چڑ گئی "یہ کیا تم نے میڈم۔۔۔ میڈم لگا رکھی ہے۔ میرا نام شائلہ ہے۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن آپ نے مجھ پر جو احسان کیا ہے۔ اس کے بدلے میں آپ کو کچھ دے نہیں سکتا تو کم از کم آپ کا احترام تو ضرور کر سکتا ہوں۔"

شائلہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا "تو تمہیں معلوم ہو گیا۔" وہ بولی "میرا مقصد تمہاری توہین نہیں تھا۔ میں۔۔۔"

اطہر مزید کچھ سنے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ گھر آکر وہ اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ اس کا طیش بخار کی طرح بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح کمرے کا چکر لگاتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا "سور کی بچی۔ حرام زادی۔ خود کو سمجھتی کیا ہے۔ اس نے مجھے خرید لیا ہے۔"

چلتے چلتے جب وہ تھک گیا تو بستر پر گر گیا اور نہ جانے کب سو گیا۔ اگلی صبح جب وہ اٹھا تو نارمل تھا۔ اس نے تسلیم کرلیا کہ آج کے دور میں صلاحیت کچھ بھی نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ سفارش یا رشوت کی طاقت نہ ہو۔ جیسے مال گاڑی بے شک میل بھر لمبی ہوتی ہے لیکن کھینچتا اسے ایک انجن ہی ہے اور انجن بھی کچھ نہیں اگر اس میں ڈیزل نہ ہو۔ اسی طرح صلاحیت کی بھاری گاڑی کو آگے دھکیلنے کے لیے سفارش کے انجن کی ضرورت ہوتی ہے اور صلاحیت کم ہو تو سفارش میں اسی تناسب سے اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ جیسے کوئٹہ جانے والی ٹرین میں دو انجن لگتے ہیں۔

اس روز پہلا تربیتی سیشن تھا۔ جس کی نگرانی ایک سابقہ فرسٹ کلاس کرکٹر کر رہا تھا۔ ایک زمانے میں وہ خود بھی اسی بینک کی طرف سے کھیلتا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ پہلے ٹیم کا منیجر اور پھر کوچ بن گیا۔ بات اتنی تھی کہ اس کے بینک کے اعلیٰ حکام سے تعلقات مضبوط تھے۔ لہٰذا وہ ابھی تک بینک کے پے رول پر تھا۔ تربیت کا پہلا سیشن یوں گزرا کہ فیلڈ میں معمولی سی بھاگ دوڑ اور نیٹ پریکٹس کے بعد پویلین میں جا بیٹھے۔ نگراں مزے سے ڈریسنگ روم میں سو رہا تھا اور نوجوان کھلاڑی اپنے طور پر محنت کر رہے تھے۔ چار روزہ "کامیاب" تربیتی کیمپ کے بعد ٹیم اپنا پہلا میچ کھیلنے گوجرانوالہ روانہ ہوئی جہاں اس کا مقابلہ ایچ بی ایف سی سے تھا۔ اس میچ میں اطہر اور دوسرے نوجوان کھلاڑیوں کو بالکل موقع نہیں ملا اور نتیجہ ایک اننگ کی عبرت ناک شکست کی صورت میں نکلا۔ اس پر بینک کے صدر کی جانب سے جھاڑ موصول ہوئی اور اگلے میچ میں چھ تجربے کار کھلاڑی باہر تھے۔ یہ میچ کراچی میں تھا اور مقابلہ ائرلائن کی مضبوط ترین ٹیم سے تھا جو قائدِ اعظم ٹرافی کی ہاٹ فیورٹ تھی۔ اطہر نے پہلے ہی فرسٹ کلاس میچ میں سنچری بنائی اور اگلی اننگ میں جب ٹیم کو یقینی شکست کا سامنا تھا۔ اس نے میچ بچانے والی اننگ کھیلی اور ٹیم یقینی شکست سے بچ گئی۔

یہ سیزن اطہر وقار کے نام رہا تھا۔ اس نے پہلے ہی سیزن میں آٹھ سنچریاں اسکور کردیں تھیں۔ جو ایک ریکارڈ تھیں اور کرکٹ کے ماہرین اسے آنے والا نیا پاکستانی ونڈر بوائے قرار دے رہے تھے۔ اطہر نے جس تیزی سے ترقی کی تھی۔ اس سے شفقت علی کو بجا طور پر خدشہ ہوا کہ یہ ہونہار

نوجوان اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ وہ اسے داماد بنانے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ ثمائلہ اور اطہر کی ناراضگی دور ہو چکی تھی۔ ثمائلہ، اطہر کو اچھی لگتی تھی لیکن وہ اس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ وہ ایک اے وی پی کی بیٹی تھی جو عنقریب وی پی بننے والا تھا۔ یہ اس کی حماقت تھی۔ ثمائلہ کی ایک ایک ادا سے ظاہر تھا کہ وہ اسے پسند کرتی ہے بلکہ اس پر مرتی ہے اور اطہر ڈرتا تھا کہ کہیں وہ نہ مارا جائے لیکن سیزن کے اختتام تک اس میں اتنا اعتماد آگیا تھا کہ اب وہ وی پی کو بھی کچھ سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ اسے اعتماد تھا کہ اگر بینک نے اسے نکالا بھی تو کوئی دوسرا بینک اسے ہاتھوں ہاتھ لے گا۔ ممکن ہے اسے اے وی پی کا عہدہ مل جائے۔

ثمائلہ نے دیکھا کہ جب اس کے حربے زیادہ موثر نہیں ہو رہے تو اس نے باپ سے رجوع کیا۔ شفقت علی بیٹی کے جذبات سمجھتا تھا۔ اس نے براہ راست اطہر سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور اسے اپنے دفتر بلالیا۔ اس نے بلا تمہید کہا۔

"دیکھو اطہر، تم جانتے ہو۔ ثمائلہ میری اکلوتی اولاد ہے اور اس کی خوشی میرے لیے ہر چیز پر مقدم ہے۔"

"ظاہر ہے سر۔" اطہر اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

اچانک اس نے موضوع بدل دیا "اطہر وقار، تمہارا فیوچر بہت برائٹ ہے لیکن اسے مزید برائٹ بنایا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے اپنی کارکردگی کی بنیاد پر تم تین چار سال میں قومی ٹیم میں اپنی جگہ بنالو لیکن تم جس فارم میں ہو۔ قومی ٹیم میں فوری شمولیت تمہارا حق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایک چانس ملنے کی صورت میں تم اپنی جگہ پکی کرلو گے۔ ویسے بھی ٹیم کو ایک اچھے مڈل آرڈر بلے باز کی اشد ضرورت ہے۔"

"لیکن کیا ہوگا سر۔" اطہر مایوسی سے بولا "میرے پاس کوئی سفارش نہیں ہے۔ سوائے کارکردگی کے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" شفقت علی مسکرایا "میرے بورڈ کے اعلیٰ حکام سے اچھے تعلقات ہیں۔ موجودہ چیف سلیکٹر ایک زمانے میں ہمارے بینک سے ہی کھیلتا تھا۔ اس کی میری اتنی دوستی ضرور ہے کہ وہ میری کوئی بات ٹال نہیں سکتا۔ مجھے تمہاری سفارش کرکے خوشی ہوگی۔ ثمائلہ ویسے بھی تمہارے لیے جذباتی ہے۔ اس نے مجھ سے کہہ رکھا ہے کہ اس سال تک تمہیں قومی ٹیم میں ہونا چاہیے۔ میں اپنی بیٹی کی بات ٹال نہیں سکتا۔"

"تھینک یو سر۔" فرطِ جذبات سے اطہر سے بولا نہیں جارہا تھا "میں۔۔۔ کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"شکریہ تو تم ثمی کا ادا کرنا۔" شفقت علی ہنسنے لگا "ویسے کبھی اپنے والدین کو میرے گھر لاؤ۔"

"ضرور سر۔ میں جلد انہیں آپ کے گھر لاؤں گا۔"

اطہر، ثمائلہ کو پسند ضرور کرتا تھا لیکن فی الوقت کسی جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ شادی بھی اس کے نزدیک ایک بڑے جھنجھٹ کا نام تھی مگر اب صورتِ حال بدل گئی تھی۔ اس کے خوابوں کی تعبیر اس کے سامنے تھی۔ وہ قومی ٹیم تک رسائی حاصل کرسکتا تھا۔ بس ایک چانس کی بات تھی اور یہ چانس جس راستے سے گزرتا تھا۔ اس کا نام ثمائلہ تھا۔ دیکھا جائے تو ثمائلہ میں کوئی کمی نہیں تھی۔ خوب صورت تھی۔ اپنے طبقے کی لڑکیوں کی طرح ناز و ادا کے ہتھیاروں سے بھی مسلح تھی۔ مگر اس میں بے حیائی نہیں تھی۔ اسے صرف بے باک کہا جاسکتا تھا۔ ایک کروڑپتی باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جو اس کی قومی ٹیم تک پہنچنے کی راہ ہموار کرسکتا تھا۔

اطہر نے اس پر خوب سوچا اور اس نے اس چانس سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ماں کو بتایا اور اس سے ثمائلہ کی اتنی تعریف کی کہ وہ اس سے ملنے کو بے تاب ہوگئی۔ ایک روز موقع دیکھ کر اطہر ثمائلہ کو گھر لے آیا۔ اس کی ماں ایک ماڈرن لڑکی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ جس کے گلے میں بالشت بھر کا دوپٹا جھول رہا تھا۔ اور وہ بغیر کسی شرم و جھجک کے اس سے ملی تھی۔

زیب النساء بیگم کو یاد تھا کہ جب وہ پہلی بار اپنی ساس کے سامنے آئیں تو ان سے بولا بھی نہیں جارہا تھا اور نظریں تو زمین سے چپک کر رہ گئی تھیں اور یہ لڑکی کیسی بے تکلفی سے ان سے بات کررہی تھی۔ انہوں نے بعد میں یہ بات اطہر پر واضح کردی۔

"اطہر تم نے اس لڑکی میں کیا دیکھا نہ شرم نہ حیا۔"

اس نے بے پروائی سے کہا "ماں، وہ نئے دور کی لڑکی ہے۔ پھر بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ ایسی تو ہوگی لیکن دل کی بہت اچھی ہے۔"

زیب النساء نے اطہر کو سمجھانے کی خاصی کوشش کی۔ مگر جلد واضح ہوگیا کہ اطہر ہر قیمت پر یہ شادی کرے گا۔ چاہے اس کے لیے اسے ماں باپ کو کیوں نہ چھوڑنا پڑے۔ بادل ناخواستہ وقار صاحب بیگم کے ہمراہ شفقت علی کے گھر گئے۔ نرسری کے علاقے میں ہزار گز پر بنا یہ عالی شان بنگلا کسی محل سے کم نہیں تھا اور پھر اس کی آرائش۔ شفقت علی ان سے بے حد ڈپلومیسی سے ملا تھا۔ اس نے اطہر وقار کو سراہتے ہوئے اسے ثمائلہ کے لیے موزوں امیدوار قرار دیا لیکن ساتھ اپنے اور ان کے طبقے کا فرق بھی واضح کردیا۔

"اب دیکھیے ناں، ثمی کو ہزار گز کی کوٹھی میں ان تمام

آسائشوں کے ساتھ رہنے کی عادت ہے پھر اس کے خرچے۔ وہ صرف دو ہزار مہینے کا پیٹرول کار میں ڈلواتی ہے۔" وقار اور زیب النساء سکون سے منتظر تھے کہ شفقت علی اصل موضوع کی طرف آئے جس کے لیے وہ اتنی طویل تمہید باندھ رہا تھا۔ بالآخر بلی تھیلے سے باہر آئی۔ شفقت علی کا مطالبہ تھا کہ شمائلہ شادی کے بعد رخصت ہو کر سسرال نہیں جائے گی بلکہ اس کوٹھی میں جائے گی جو شفقت علی اسے جہیز میں دے گا۔"

گھر واپس آتے ہی ماں اطہر پر برس پڑی "اب تو جورو کے در پر رہے گا۔"

"ماں آج کل یہ سب نہیں دیکھا جاتا۔" اطہر ڈھٹائی سے بولا۔

"کیوں کیا آج کل غیرت کے مفہوم بدل گئے ہیں۔" زیب النساء نے سخت لہجے میں کہا۔

وقار صاحب بیٹے کے تاثرات دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے زیب النساء کو روک دیا "چھوڑو اطہر کی ماں۔ اگر یہ راضی ہے تو ہم بھی اس کی خوشی میں خوش ہیں۔"

زیب النساء خاموشی سے آنسو بہانے لگیں۔ اطہر کو کھسیایا ہوا تھا لیکن وہ خوش بھی تھا۔ ابھی شمائلہ جیسی بیوی مل رہی تھی اور اب لاٹری میں اس کے نام ایک کوٹھی نکل آئے گی۔ مستقبل میں وہ قومی ٹیم میں جگہ بنا سکتا تھا اور اس کے آگے خوابوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ جن کی تعبیریں مستقبل کے دھندلکے میں پوشیدہ تھیں۔ کیا کسی نے جو کچھ سوچا ہے۔ وہ ویسا ہی پورا ہوا ہے۔ تقدیر تو نام ہی ارادے توڑنے کا ہے۔ دونوں خاندانوں میں گفت و شنید کے بعد طے پایا کہ فی الوقت منگنی کردی جائے اور شادی اسی وقت ہوگی جب اطہر قومی ٹیم میں اپنی جگہ بنالے گا۔ شفقت علی نے ابھی سے اس کے لیے ڈوریاں ہلانا شروع کردیں تھیں۔ قومی ٹیم کے چیف سلیکٹر مجتبیٰ رانا کے بھائی احمد رانا کو بینک سے قرض درکار تھا۔ اس کی ملتان میں کچھ غیر مزروعہ زمین تھی۔ جس پر تھور آگئی تھی۔ احمد رانا اس زمین کو رہن رکھ کر بینک سے دس کروڑ روپے کا قرض لینا چاہ رہا تھا۔ بینک کے ماہرین نے زمین کے معائنے کے بعد اسے ناکارہ قرار دے دیا۔ زمین ایک ہزار ایکڑ تھی اور موجودہ حالت میں یہ صرف کلر پیدا کرنے کے کام آسکتی تھی۔ ظاہر ہے بینک نے انکار کردیا۔ اس پر مجتبیٰ رانا نے شفقت علی سے رابطہ کیا۔

"یار شفقت، تمہارے بینک والے عجیب ہیں۔ اچھی بھلی زمین کو کلر قرار دے دیا۔"

شفقت علی خوش تھا کہ تقدیر نے اسے خود موقع دے دیا "رانا صاحب، زمین تو واقعی کلر ہے لیکن جب آپ نے اس خادم کو یاد کر ہی لیا ہے تو فرمائیے کیا حکم ہے؟"

"حکم کیا، بس درخواست ہے۔ بھائی صاحب ان دنوں پریشان ہیں۔ قرض مل جائے تو ان کی پریشانی خاصی کم ہوجائے گی۔"

"سمجھیے کام ہوگیا۔ رانا صاحب آخر ہم یہاں آپ کی خدمت کے لیے تو بیٹھے ہیں۔ ارے ہاں خوب یاد آیا۔ آپ میری بیٹی کی منگنی پر تشریف نہیں لائے۔ بیگم بہت گلہ کر رہی تھیں۔"

"بس جناب کیا بتاؤں۔ یہ چیف سلیکٹر کی ذمے داریاں کہیں جانے ہی نہیں دیتیں۔ ان ہی دنوں لاہور میں میٹنگ تھی۔" مجتبیٰ رانا نے معذرت کی "میں نے سنا ہے کہ شمی کی منگنی اطہر وقار سے ہوئی ہے۔ آج کل اس کا بڑا چرچا ہے۔ پچھلی میٹنگ میں اس کا نام بھی زیر غور آیا تھا۔ ویسٹ انڈیز کے آئندہ دورے کے لیے۔"

"صرف زیر غور آیا تھا۔" شفقت علی معنی خیز انداز میں بولا "رانا صاحب اب وہ میرا داماد ہے۔"

بات مجتبیٰ رانا کی سمجھ میں آگئی تھی "اب یہ میرا معاملہ ہے شفقت علی، تمہیں شکایت نہیں ہوگی۔"

بڑوں کے درمیان بڑے معاملات یونہی خاموشی سے طے پا جاتے تھے۔ اگست میں لگنے والے کیمپ میں جن چوبیس کھلاڑیوں کے نام کا اعلان کیا گیا تھا۔ ان میں اطہر وقار کا نام بھی شامل تھا۔ تربیتی کیمپ اکتوبر میں ویسٹ انڈیز کی آمد کی وجہ سے لگایا جارہا تھا۔ یہ سب ہی جان گئے تھے کہ اطہر وقار ویسٹ انڈیز کے خلاف ٹیسٹ ڈیبو کرے گا لیکن تقدیر گھات لگائے بیٹھی تھی۔ اطہر نیشنل اسٹیڈیم سے پریکٹس کرکے واپس آرہا تھا۔ سہ پہر کے وقت ہلکی سی بارش ہوئی تھی اور اطہر بھی ذرا ترنگ میں تھا۔ اس نے اپنی نئی یاماہا ون ٹو فائیو کو اسپیڈ دی اور ایک موڑ کاٹتے ہوئے اچانک بائک سلپ ہوئی۔ اطہر زمین پر گرا اور فٹ پاتھ کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ وہ زیادہ زخمی نہیں ہوا مگر بدقسمتی سے پھسلتی موٹر سائیکل اس کے پاؤں سے آ ٹکرائی اور اس کے گھٹنے کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔

بینک کی جانب سے بہترین علاج معالجے کے بعد اس کے گھٹنے کی ہڈیاں جڑ گئیں۔ لیکن وہ کرکٹ کھیلنے کے قابل نہیں رہا تھا زیادہ مشقت کرنے سے اس کے پیر میں ناقابل بیان درد شروع ہوجاتا تھا۔ وہ بہت بلندی پر اڑتے اڑتے یک دم نیچے آگرا تھا۔ وہ قومی ٹیم میں کھیلنے کے خواب دیکھ رہا تھا اور اب کلب کرکٹ کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ اس کے لیے وہ بہت اذیت ناک دور تھا۔ اسپتال کے بستر پر پڑے مستقبل کے ڈراؤنے تصورات اسے لرزا دیتے تھے۔ وہ صرف کرکٹ ہی کھیل سکتا تھا اور یہی اس کی واحد قابلیت تھی۔ اس کے

علاوہ اس میں کمانے کی کوئی صلاحیت نہیں تھی۔ اگر وہ کرکٹ نہ کھیل سکا تو کیا ہوگا؟ ڈاکٹرز اسے تسلی دیتے تھے اور وہ ان کھوکھلی تسلیوں کو خوب سمجھتا تھا۔
ابتدا میں شفقت علی اور بیگم اسے کئی بار دیکھنے آئے لیکن جیسے ہی انہیں معلوم ہوا کہ اطہر کے گھٹنے کے ٹھیک ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ یک لخت ان کی دلچسپی اس میں ختم ہوگئی۔ البتہ شائلہ روز ہی اطہر کو دیکھنے آتی تھی اور اطہر نے اس کی محبت میں کوئی کمی نہیں محسوس کی تھی۔ جس روز وہ اسپتال سے فارغ ہوا۔ اس روز شفقت علی نے بیٹی کو سمجھایا کہ اب اطہر وقار ایک بیکار شخص تھا۔ ایک عضو معطل۔ وہ خود اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ تمہارا بوجھ کیسے اٹھائے گا اور کرکٹ کھیلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے پیر پر کھڑا ہو جائے یہی بہت ہے۔ خلافِ توقع شائلہ نے ماں باپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔
"پاپا مجھے اطہر کے کھیل نے متاثر کیا تھا لیکن محبت میں نے اطہر سے کی ہے۔"
باپ نے پاؤں پٹخا "وہی تیسرے درجے کی جذباتیت۔ بیٹی عملی بن کر سوچو۔"
"پاپا۔ انسان ہر معاملے میں عملی بن کر نہیں سوچ سکتا۔ آپ میرے اور ممی کے لیے ہمیشہ جذبات سے ہی سوچیں گے۔ اس طرح میں اطہر کے لیے عقل سے نہیں سوچ سکتی۔"
پھر شفقت علی ہر جتن کر کے تھک گئے لیکن شائلہ نے نہ سمجھنا تھا اور نہ سمجھی۔ تھک ہار کر انہوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔
کئی سال کی رسہ کشی کے بعد بالآخر شائلہ اور اطہر ایک ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ اس دوران میں اطہر نے اپنی تعلیم دوبارہ شروع کر دی تھی۔ گریجویشن کے بعد اسے شفقت علی کے بینک میں ہی جاب مل گئی تھی۔ شادی کے بعد وہ شائلہ کی کوٹھی میں منتقل ہو گیا تھا۔ ماں باپ نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔
"بیٹا ہم بہو کے در پر نہیں رہ سکتے۔" وقار صاحب نے انکار کرتے ہوئے کہا "وہ بہت اچھی لڑکی ہے لیکن بات ہماری روایت کی ہے۔"
شائلہ کی قربانی نے انہیں بھی متاثر کیا تھا۔ جو اس نے ان کے بیٹے کے لیے دی تھی۔ شائلہ رخصت ہو کر ان کے گھر ہی آئی تھی اور جب وہ ہنی مون منا کر آئے تو شائلہ کی جہیز کی کوٹھی میں منتقل ہوگئے جو سوسائٹی میں تھی۔ جن دنوں اطہر نائب منیجر بن گیا تھا۔ شفقت علی نے اسے پیشکش کی کہ وہ بینک کی ٹیم کے کوچ کے فرائض سنبھال لے۔ اسے اے وی پی کا عہدہ اور مراعات ملتیں۔ اطہر نے کچھ سوچ کر یہ پیشکش قبول کر لی۔ اسے اپنی پکی ملازمت کی قربانی دینا پڑی تھی لیکن بدلے میں اسے کرکٹ سے وابستہ ہونے کا ایک موقع مل رہا تھا۔ کھلاڑی کی حیثیت سے نہ سہی کوچ کی حیثیت سے سہی۔
ابتدا میں شفقت علی کا رویہ بیٹی اور داماد سے بے حد سرد تھا۔ لیکن لیلی کی پیدائش کے بعد برف پگھلنے لگی تھی۔ نانا بن کر شفقت علی ایک نئے رشتے سے آشنا ہوا تھا۔ جیسے شائلہ پھر سے چھوٹی ہو کر اس کے سامنے آگئی تھی۔ بینکنگ کی دنیا میں فولاد کی طرح سخت مشہور شفقت علی اس ننھی سی بچی کے سامنے موم ہو جاتا تھا اور وہ جس طرح چاہتی اسے گھما دیتی۔ وہ اپنی ماں کا پرتو تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ نانا اور نانی کی جان تھی۔ کوئی ایسی بات جو دوسرا تمام عمر صرف کر کے بھی شفقت علی سے نہیں منوا سکتا تھا۔ وہ ایک منٹ میں منوا لیتی تھی۔ جن دنوں وہ میٹرک میں تھی اسے اسپورٹس کار کا بخار چڑھا۔ ماں باپ نے صاف انکار کر دیا۔
"سوری بیٹا۔ تم جس طرح ڈرائیونگ کرتی ہو اسے دیکھ کر مجھے ہارٹ اٹیک ہونے لگتا ہے۔" اطہر نے کہا۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے اسپورٹس کار کی۔" شائلہ نے ٹکا سا جواب دیا "ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ صرف سولہ سال۔ تمہارے پاس لائسنس تک نہیں ہے۔"
"جب میں کار لے کر نکلتی ہوں تو ٹریفک سارجنٹ بھی میرے راستے میں آنے کی جرات نہیں کرتا۔" لیلی فخر سے بولی۔
"ظاہر ہے اسے بھی اپنی زندگی عزیز ہے۔" اطہر ہنسا۔
"آپ لوگ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" لیلی روہانسی ہوگئی اور دوڑ کر کمرے سے نکل گئی۔
"اب یہ سیدھی تمہارے باپ کے پاس جائے گی۔" اطہر نے شائلہ کو مطلع کیا "اور بڑے میاں فوراً اپنی لاڈلی کی فرمائش پوری کر دیں گے۔"
شائلہ نے اسے گھورا "تمیز سے۔ وہ تمہارے سسر بھی ہیں۔"
"بادل ناخواستہ۔ انہوں نے ابھی تک مجھے دل سے اپنا داماد تسلیم نہیں کیا ہے۔"
"خیر اب ایسا بھی نہیں ہے۔ شروع میں وہ ذرا اکھڑے رہے تھے۔ لیکن اب تو ٹھیک ہیں۔"
اطہر کا اندازہ درست ثابت ہوا جب شام کو لیلی پورچ میں ایک سرخ رنگ کی اسپورٹس ہنڈا کار سے اتری تو وہ کھلی پڑ رہی تھی۔ اس کے ساتھ شفقت علی بھی تھا۔ اطہر کا موڈ آف ہو گیا۔ لیلی انہیں دیکھ کر چلائی۔
"ماما ڈیڈ دیکھیں۔" اس نے چابی لہرائی تھی۔

"پاپا یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔" شمائلہ نے اس سے شکوہ کیا۔

"اب یہ سڑکوں پر دو سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے گاڑی دوڑائے گی۔" اطہر نے منہ بنا کر کہا۔

"ڈونٹ وری سن۔ لیلیٰ بہت سمجھ دار لڑکی ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ زیادہ رفتار سے ڈرائیو نہیں کرے گی۔"

"یہ وعدہ خلاف لڑکی ہے۔" اطہر نے خبردار کیا۔

"نانو۔" لیلیٰ نے روہانسے لہجے میں فریاد کی۔

"خبردار اب کوئی میری لاڈلی کو کچھ نہیں کہے گا۔" شفقت علی ڈپٹ کر بولا۔

○☆○

اطہر وقار نے بغور اس لڑکے کو دیکھا۔ سانولی رنگت، ہلکے براؤن بال، براؤن ہی آنکھیں، دلکش نقوش اور مضبوط ورزشی جسم۔ ایک ہی نظر میں وہ اطہر کو ایک مکمل کرکٹر لگا۔ اس کا جسم، اس کی چال ڈھال اور اس کی حرکات و سکنات ایک مکمل کرکٹر کی سی تھیں۔ ایک ینگ جنٹل مین۔ وہ لیگ اسپن گروپ میں شامل تھا۔ اس گروپ میں سب سے زیادہ لڑکے آئے تھے اور انہیں بھگتاتے بھگتاتے اطہر اور شہریار کو شام ہوگئی تھی۔ ہر لڑکے کو دو اوور کرانے کا موقع دیا جاتا تھا۔ اگرچہ دو اوور نہ ہونے کے برابر تھے۔ اتنے اوور تو بالر کو گروم کرنے میں لگ جاتے ہیں مگر مجبوری تھی۔ پچاس لڑکے تھے اور وہ سب پورے دن میں سو اوورز سے زیادہ نہیں کرا سکتے تھے۔

اطہر اور شہریار باری باری پیڈز پہن کر انہیں کھیلتے رہے۔ کئی بالروں کو تو اطہر نے چند گیندوں کے بعد ہی چلتا کردیا تھا۔ کچھ کے ایکشن درست نہیں تھے اور کچھ کو صرف بالیں لڑھکانا آتی تھیں۔ جو بالر اسے معیاری نظر آتا وہ اسے ایک طرف کردیتا یہ لڑکا متانت سے اپنی باری کا انتظار کررہا تھا۔ اس نے آگے آنے کی بے صبری نہیں دکھائی۔ اس لیے اطہر کی اس پر نظر بھی نہیں پڑی اور جب سب چلے گئے تو وہ اسے اکیلا کھڑا نظر آیا۔ اطہر نے اسے اشارے سے بلایا۔

"تم بالنگ کے لیے آئے ہو؟"

"جی جناب۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"تو اب تک کہاں تھے۔" اطہر نے خراب لہجے میں کہا۔

"چلو نیٹ پر آؤ۔"

نامعلوم کیوں اطہر کو اسے دیکھ کر ہی غصہ آرہا تھا۔ سارا دن گرمی میں کھڑے کھڑے اس کا برا حال ہوگیا تھا اور وہ گھر جانا چاہتا تھا۔ شاید یہی اس کے غصے کی وجہ تھی لیکن نہیں۔ دراصل اسے اس لڑکے سے حسد محسوس ہورہا تھا۔ اس عمر میں وہ بھی ایسا ہی تھا۔ شاید مکمل کرکٹر لیکن کیا ہوا۔ جب اس کے خوابوں کی تعبیر سامنے آنے لگی تو ایک حادثے نے اس سے یہ تعبیریں چھین لی تھیں اس لڑکے میں اسے اپنی جوانی نظر آرہی تھی اور اسے محسوس ہونے لگا کہ یہ بہت اچھا کھلاڑی تھا۔ اطہر نے جان بوجھ کر اسے ایک تقریباً نئی گیند دی۔ جس کی چمک برقرار تھی اور ایسی بال اسپنر کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہوتی۔

لڑکے نے بال لی۔ کریز سے اپنے قدم گنے، بالنگ مارک لگا اور شہریار کی طرف دیکھا۔ جو صبح سے ایسے درجنوں بالروں کو کھیل کر مرنے کی حد تک تھک چکا تھا۔ مگر ساتھ ہی وہ جانتا تھا کہ اگلے سیزن کے لیے ایسی نیٹ پریکٹس اسے کہیں نہیں ملے گی۔ لڑکا آہستگی سے آگے بڑھا۔ جب وہ کریز کے قریب پہنچا تو اس نے شانے سے ہاتھ گھمایا اور بال پھینک دی۔ بے حد سادہ ایکشن تھا۔ اطہر نے عجیب بات نوٹ کی کہ اس نے اسپن کے لیے کلائی سے زیادہ شہادت اور درمیانی انگلی کو استعمال کیا تھا اور جب بال اس کے ہاتھ سے نکلی تو یہ دو انگلیاں وی کا نشان بنا رہی تھیں۔ بال کی سلائی دائیں طرف گھوم رہی تھی اور سیم کا اتنا مکمل استعمال تھا کہ برق رفتاری سے گھومتی بال کی سلائیوں میں ذرہ برابر لرزش نہیں تھی۔ شہریار نے بھانپ لیا تھا کہ یہ لیگ اسپن ہے اور لیگ اسٹمپ سے ذرا باہر گرے گی۔ اس نے نرمی سے بلا لا کر گیند کو گلانس کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد جو ہوا وہ شہریار اور اطہر دونوں کو حیران کرگیا۔ گیند نے ہوا میں ہلکا سا سوئنگ کیا اور ٹھیک ٹھیک اسٹمپ پر گری۔ بال جتنی آہستگی سے پچ ہوئی اتنی ہی تیزی سے بلے کو دھوکا دے کر اس نے آف اسٹمپ اڑا دی تھی۔

"ونڈر فل!" شہریار کے منہ سے نکلا۔

"پھر یہی بال کراؤ۔" اطہر نے لڑکے سے فرمائش کی۔

وہ ایک بار پھر مخصوص اور سادہ ایکشن میں آگے بڑھا۔ اس نے کریز پر پہنچ کر اسی انداز میں بال پھینکی۔ فرق صرف یہ تھا کہ شہریار پہلے سے تیار تھا۔ اس نے گلانس کرنے کے بجائے پاؤں کو گیند کی لائن میں لا کر بلے کو پیڈ کے قریب رکھا مگر بال کا اسپن اسے ایک بار پھر دھوکا دے گیا۔ گیند نے بلے کا کنارہ لیا اور یہ سلپ کا ایک آسان کیچ تھا۔ اس کے بعد اطہر کی فرمائشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ لیگ اسپن، گگلی، فلیپر، ٹاپ اسپن غرض کہ لڑکا ہر طرح کی بال کرا رہا تھا اور اسے سب میں مہارت حاصل تھی۔ بس فرق یہ تھا کہ مختلف طرح کی بال کراتے ہوئے اس کے بالنگ ایکشن میں بھی تھوڑی سی تبدیلی آجاتی تھی اور یہ اتنی بڑی خامی نہیں تھی۔ شہریار اور اطہر اپنی تھکن بھول کر لڑکے سے مسلسل بالنگ

کروا رہے تھے اور اس نے لگا تار کوئی چالیس پینتالیس بالیں کرائیں۔ یعنی کوئی آٹھ اوورز اور اس میں سے چند ہی گیندیں ایسی تھیں جنہیں شہریار درست طریقے سے کھیل پایا تھا۔ اس نے صرف دفاع کیا تھا۔ جارحانہ اسٹروک اسے مارنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

اطہر نے رشک و حسد سے لڑکے کو دیکھا۔ جس کا سانس ہموار تھا۔ گویا اس کا اسٹیمنا بھی قابلِ رشک تھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

"حماد۔ حماد احمد۔" وہ بولا۔

"کس کلب کی طرف سے کھیلتے ہو؟"

"جو بھی کھلا لے۔" وہ آہستگی سے بولا۔

اطہر کو حیرت ہوئی۔ ایسی بالنگ کرانے والا لڑکا کسی بھی فرسٹ کلاس سائڈ میں جگہ حاصل کر سکتا تھا اور اسے کسی کلب کی نمائندگی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن اطہر جانتا تھا کہ پچھلے کچھ عرصے میں کرکٹ میں سیاست کچھ زیادہ ہی گھس آئی تھی اور سفارش ہر جگہ باصلاحیت کھلاڑیوں سے خوف زدہ رہتے تھے اور انہیں پیچھے دھکیلنے کے لیے سازش کرتے رہتے تھے۔ یہ لڑکا بھی اسے ایسی ہی سیاست کا شکار نظر آتا تھا۔

"رہتے کہاں ہو؟"

"ملیر' ماڈل کالونی میں۔"

اطہر کو پھر حیرت ہوئی کہ ملیر جیم خانہ والوں کی نظر سے یہ لڑکا کیسے بچ نکلا۔ وہ جانتا تھا کہ اس علاقے سے کئی نامور کرکٹر نکلے تھے۔ سعید انور' راشد لطیف اور سعید آزاد جیسے کھلاڑی اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔

"بیٹنگ کرنا جانتے ہو؟"

حماد مسکرایا "میں آل راؤنڈر کی حیثیت سے کھیلتا ہوں۔ عموماً پانچویں یا چھٹے نمبر پر بیٹنگ کرتا ہوں۔"

"گڈ! کل بیٹنگ کا سیشن ہوگا۔ تم آجانا۔"

"جی جناب۔" اس نے اتنا ہی کہا اور جانے لگا۔

"یہ لڑکا ہیرا ہے۔" شہریار اس کے جاتے ہی بولا "میں نے اپنے پورے کیریئر میں ایسا کوئی لیگ اسپنر نہیں دیکھا۔ یہ قادر کی کلاس کا اسپنر لگتا ہے۔"

اطہر' شہریار سے متفق نہیں تھا۔ وہ عبدل قادر کو کھیل چکا تھا اور جانتا تھا کہ اس کی کلاس الگ تھی لیکن یہ لڑکا اتنی سی عمر میں جتنی صلاحیتوں کا مالک نظر آتا تھا۔ صاف لگتا تھا کہ آگے چل کر بہت ترقی کرے گا۔ اس کے پاس وہ تمام گیندیں موجود تھیں جو ایک لیگ اسپنر کے پاس ہوتی ہیں۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کی لائن و لینتھ حیرت انگیز تھی۔ وہ جہاں چاہتا بال پھینک سکتا تھا اور اطہر کے نزدیک یہی اس کی سب سے بڑی خوبی تھی مگر ایک رکاوٹ تھی۔

گراؤنڈ کے پویلین میں اس وقت چار لڑکے موجود تھے۔ ان میں دو تو وہ تھے۔ جنہیں وکٹ کیپر اور فاسٹ بالر کی حیثیت سے منتخب کرلیا گیا تھا۔ جبکہ باقی دو اسپنرز میں سے الگ کیے گئے تھے اور ان میں سے ہی اسپنر منتخب کیا جانا تھا۔ ان میں ایک منظور اختر تھا۔ یہ اچھا لیفٹ آرم اسپنر تھا اور بینک کے ایک اعلیٰ عہدے دار کا بھائی تھا۔ دوسرا نیب اختر تھا۔ مشہور صنعت کار اختر منیر کا بیٹا۔ وہ کراچی چیمبر آف کامرس کی جان تھا۔ نیب بھی سفارشی تھا اور اس کی سفارش خود شفقت علی نے کی تھی۔ جس کا اختر منیر سے کچھ کاروباری اشتراک تھا اور شفقت علی کے لیے اس کی بات ٹالنا ممکن نہیں تھا۔

نیب اختر پر امید تھا کہ انتخاب اس کا کیا جائے گا۔ اس کے باپ نے اسے بے فکر ہوجانے کو کہا تھا مگر وہ بالنگ میں اتنا اچھا نہیں رہا تھا۔ اس کی لائن و لینتھ اچھی تھی۔ البتہ اس کے پاس زیادہ ورائٹی نہیں تھی۔ وہ منظور اختر سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے سلیکٹ سمجھو۔ یہ نگراں کیا چیز ہے۔ بینک کا صدر بھی میرے پاپا کی بات نہیں ٹال سکتا۔"

اس کی بدقسمتی کہ اطہر وقار اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی شہریار کے ساتھ پویلین میں آیا تھا۔ نیب کا جملہ سن کر اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ ان بڑی سفارشوں کے سامنے خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ حماد احمد ہر طرح سے بینک کی طرف سے کھیلنے کا حق دار تھا۔ مگر اس کے حق کی راہ میں سفارشی مگرمچھ منہ کھولے کھڑے تھے۔ اطہر دوراہے پر کھڑا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اپنے سسر کی سفارش رد نہیں کرسکے گا اور نتیجے میں ایک باصلاحیت کھلاڑی اپنے حق سے محروم رہ جائے گا۔ مسئلہ یہ تھا کہ بینک کی ٹیم میں پہلے ہی انیس کھلاڑی تھے اور اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں تھی۔ ورنہ وہ اسپورٹس ڈائریکٹر سے بات کرتا۔ پویلین کی طرف آتے ہوئے اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ نیب کو منتخب کرے گا۔ البتہ اس لڑکے کے لیے کوشش کرے گا کہ اسے اگلے سال چانس مل جائے گا۔ مگر نیب کے ایک جملے نے اس کا فیصلہ بدل کر رکھ دیا۔ وہ غرا کر اس سے بولا۔

"اے مسٹر! ادھر آؤ۔"

نیب اسے اپنے سر پر پاکر بوکھلا گیا تھا "میں دراصل۔۔۔"

"شٹ اپ اینڈ ناؤ گیٹ آؤٹ۔ مجھے کل مجھے تم سے اس اسٹیڈیم میں نظر نہ آؤ۔ سمجھ گئے۔"

"سر مجھ سے غلطی ہوئی۔ آئی ایم ریئلی سوری۔"

"سنو مسٹر ممکن ہے بینک کا صدر واقعی تمہارے باپ کی سفارش نہ رد کرے لیکن میں اسے جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں۔"

منیب کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ پہلی بار کسی نے اس کے منہ پر یوں اس کے باپ کا حقارت سے ذکر کیا تھا "سر' آپ سوچ لیں۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس میں سوچنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم ایک تھرڈ کلاس کھلاڑی ہو اور بینک میں تمہاری کوئی جگہ نہیں بنتی۔"

منیب نے اپنی مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔ یہ شخص مسلسل اس کی توہین کیے جارہا تھا "آئی ول سی یو۔" اس نے کہا اور پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ منظور اختر اور دوسرے لڑکے بھی چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد شہریار نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"میرا خیال ہے آپ نے کچھ زیادہ ہی ڈوز دے دیا۔ یہ اختر منیر کا لڑکا ہے۔ جو سچ مچ کا رئیس شہر ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے فادر ان لا سے اس کے اچھے تعلقات ہیں۔"

اطہر نے سر جھٹکا۔ اسے بھی افسوس تھا کہ اس نے اتنا اثر کیوں لیا "دفع کرو یار۔ آؤ گھر چلیں۔"

○☆○

حماد علی اسٹیڈیم کے بھاری گیٹ سے باہر نکلا اور سست قدموں سے سڑک پر چلنے لگا جو بس اسٹاپ تک جاتی تھی۔ ٹرائل کے دوران میں اس نے کیمپ کے نگران کے جو تاثرات دیکھے تھے۔ اسے امید تھی کہ اسے منتخب کرلیا جائے گا۔ اسے ملازمت کی ضرورت تھی اور اس کے پاس سوائے کھیل کے کوئی صلاحیت نہیں تھی۔ ویسے اس کے پاس ایف اے کی ڈگری تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس دور میں اس کی حیثیت کاغذ کے ایک بیکار ٹکڑے سے زیادہ نہیں تھی۔ اسے گھر یاد آیا۔ جہاں پہلے کتنی خوشیاں تھیں۔ مسرتیں تھیں۔ تب اس کا باپ زندہ تھا۔ ان کے سر پر تناور سایہ تھا۔ جس کی چھاؤں میں وہ زمانے کی غم زدہ دھوپ سے بے نیاز تھے اور جب یہ سایہ ہٹا تو اسے معلوم ہوا کہ دھوپ کتنی کڑی اور ظالم ہوتی ہے۔ اسے ننھے بچوں پر بھی ترس نہیں آتا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا۔ وہ قیامت کا دن تھا۔ صبح سے ہی گولیاں چلنا شروع ہوگئیں تھیں۔ ماں نے اسے اور دونوں بہنوں کو اسکول جانے سے روک دیا تھا۔ وہ سوچتا ہے تو اسے یہ بات بڑی عجیب لگتی کہ ایک انسان دوسرے انسان پر اس لیے بھی گولی چلا سکتا ہے کہ وہ اس سے مختلف زبان بولتا ہے۔ ان کے علاقے میں ملی جلی آبادی تھی۔ لہٰذا آئے دن ہنگامے ہوتے' گولیاں چلتیں۔ لاشیں گرتیں اور انتظامیہ جب کچھ نہ کرپاتی تو کرفیو لگا دیتی۔ اس وقت حماد کو کرفیو اچھا لگتا تھا کیونکہ جب بھی کرفیو لگتا وہ کھیلنے کو آزاد ہوجاتا۔ اسکول کی چھٹی جو ہوجاتی تھی پھر وہ اور محلے کے دوسرے بچے گیند بلا ہاتھ میں لیے گلی میں نکل آتے۔

اور جب وہ کھیلتے تو انہیں قطعی پروا نہیں ہوتی تھی کہ کون سا بچہ کون سی زبان بولتا ہے۔ ان کے کھیل میں رخنہ ہمیشہ پولیس موبائل ڈالا کرتی تھی۔ جب بھی موبائل آتی نظر آتی سب بچے دوڑ کر قریبی گھر میں گھس جاتے۔ پولیس والے کبھی کبھار تو نظر انداز کردیتے اور کبھی ان کے گھر والوں کو باہر بلالیتے تھے۔ گھر والے وعدہ کرتے کہ اب بچوں کو باہر نہیں نکلنے دیں گے گھر میں بچوں کی خوب کھنچائی ہوتی اور ایک دو روز کے لیے گھر سے نکلنے پر پابندی لگ جاتی۔ ایک دفعہ تو خوب ہی ہوا۔ جب بطور سزا پولیس والے ان سے بیٹ بال اور وکٹیں سب چھین کرلے گئے۔ مجبوراً انہیں کئی روز فٹ بال کھیلنی پڑی۔

مگر رفتہ رفتہ نفرتوں نے بچوں کو بھی گھیرلیا۔ اب ان کے گروپ زبان کے لحاظ سے ہوتے تھے۔ ایک زبان والے دوسرے زبان بولنے والے بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتے تھے۔

اسے یاد ہے وہ چھٹی کلاس میں تھا اور اس روز ہنگاموں کے باعث وہ اسکول نہیں جاسکا۔ لہٰذا اس نے محلے کے بچوں کے ساتھ مل کر کرکٹ میچ کھیلنے کا پروگرام بنایا۔ ابھی وہ میچ کھیل ہی رہے تھے کہ ایک پولیس موبائل آکر اس کے گھر کے سامنے رکی۔ وہ ڈر گیا۔ یہ پولیس کیوں آئی تھی۔ پولیس والے اندر گئے اور کچھ دیر بعد اس کی ماں اندر سے روتی ہوئی نکلی۔ اس کے پیچھے اس کی بہنیں بھی تھیں۔ وہ ماں کی طرف دوڑا۔ جو اسے لپٹا کر دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔

"ہمیں افسوس ہے بیگم عماد۔" ایک پولیس انسپکٹر بولا "لیکن بہتر ہوگا کہ آپ تھانے آکر شناخت کرلیں۔ پھر ہمیں لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوانی ہے۔"

"امی یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کس کی لاش۔" حماد گھبرا کر بولا۔

"تیرے ابو کی۔" بیگم عماد دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔

آن کی آن میں پورا محلہ جمع ہوگیا تھا اور یہ معلوم ہوا کہ صبح دفتر کے لیے جاتے ہوئے بس اسٹاپ پر نامعلوم افراد عماد صاحب کو گولی مار گئے تو لوگ افسردہ ہوگئے۔ عورتیں بیگم عماد کو اندر لے گئیں۔ محلے کے کچھ بزرگ تھانے روانہ ہوگئے تاکہ لاش کے بارے میں معلوم کرسکیں۔ حماد بھی ان کے ساتھ تھا۔ جب وہ تھانے میں داخل ہوئے تو سامنے ہی قطار در قطار سفید چادروں تلے لاشیں رکھی تھیں۔ وہ لوگ لرز کر رہ گئے تھے۔ اس روز نہ جانے کتنے لوگ مارے گئے تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی افراد اپنے پیاروں کو شناخت کررہے تھے

اور جو شناخت کر چکے تھے وہ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ ایک پولیس والا انہیں عماد صاحب کی لاش تک لے گیا جو چادر سے ڈھکی تھی۔ سفید چادر درمیان سے سرخ ہو رہی تھی۔ پولیس والے نے آہستگی سے چہرے سے چادر ہٹائی۔

"ابو۔" حماد کے منہ سے نکلا تھا اور پھر وہ بالکل خاموش ہوگیا۔ اس کے پڑوسی انتظار صاحب نے اسے خود سے لپٹالیا تھا۔ وہ سب بے حد سوگوار نظر آرہے تھے۔ عماد صاحب محلے کی مقبول شخصیت تھے۔ صلح جو اور متحمل مزاج۔ یہی وجہ تھی کہ آج تک ان کا کسی سے جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ اگر کوئی اختلاف بھی ہوا تو اسے افہام و تفہیم سے نمٹالیتے تھے۔

"نہ جانے کون ظالم اس بھلے مانس شخص کو مار گیا۔" ایک بزرگ بولے۔

"صاحب، آج کل بھلے مانس ہی مارے جاتے ہیں۔" انتظار صاحب تلخی سے بولے تھے۔

انہوں نے حماد کو گھر بھجوا دیا۔ کچھ افراد لاش کے ساتھ چلے گئے تاکہ پوسٹ مارٹم کے بعد اسے گھر لاسکیں۔ دراصل عماد صاحب اور ان کی بیگم کا کوئی قریبی رشتے دار نہیں تھا۔ دونوں ماں باپ کے اکلوتے تھے اور اب تو ماں باپ بھی نہیں رہے تھے کچھ دور پرے کے رشتے دار تھے لیکن ان سے ملنا جلنا نہ ہونے کے برابر تھا۔ لہٰذا عماد صاحب کی آخری رسومات ان کے محلے والوں نے نمٹائیں تھیں۔ سوئم تک بیگم عماد کو اپنا ہوش نہیں تھا۔ بچوں کو محلے کی ایک خاتون سنبھال رہی تھیں۔ جو فی الوقت ان کے ہی گھر میں مقیم تھیں۔ عماد صاحب کے چالیسویں کے بعد عائشہ بیگم کو ذرا ہوش آیا تو یہ سوال ان کے سامنے منہ پھاڑے آن کھڑا ہوا کہ اب کیا ہوگا۔ سلسلۂ معاش کیسے چلے گا؟

عماد صاحب ایک کنسٹرکشن کمپنی میں انجینئر تھے۔ تنخواہ معقول تھی۔ اسی بنا پر اپنا مکان بھی بنوالیا تھا۔ البتہ اس پر ہاؤس بلڈنگ کا کچھ قرض باقی تھا۔ سب سے بڑی بیٹی تھی جس کی عمر تیرہ سال تھی پھر بارہ سالہ حماد اور آخر میں نو سالہ منزہ تھی۔ عائشہ بیگم نے صرف میٹرک کر رکھا تھا اور انہیں سوائے گھرداری کے اور کچھ نہیں آتا تھا۔ سلائی کڑھائی کا ہنر بھی ہاتھ میں نہیں تھا۔ مجبوراً انہوں نے عماد صاحب کی کمپنی سے جو واجبات ملے تھے۔ ان سے چھت پر دو کمرے، باورچی خانہ اور غسل خانہ وغیرہ تعمیر کرایا اور نیچے والا حصہ کرائے پر اٹھا دیا۔ علاقہ اچھا ہونے کی بنا پر کرایہ معقول تھا۔ ہاؤس بلڈنگ کی قسط ادا کرکے اتنا بچ جاتا کہ جیسے تیسے زندگی کی گاڑی چل رہی تھی کیونکہ پرائیویٹ اسکول کی مہنگی تعلیم وہ برداشت نہیں کرسکتیں تھیں۔ مجبوراً انہوں نے عنزہ، حماد اور منزہ کو سرکاری اسکول میں داخل کرا دیا۔ اس روز وہ کس قدر روئیں تھیں۔ عماد کی یہی خواہش تھی کہ ان کے بچے اچھی تعلیم حاصل کریں۔ سرکاری اسکولوں کا حال انہیں اچھی طرح معلوم تھا۔ خود بچے بھی جز بز تھے۔ خاص طور سے حماد اس کا دل اس نئے اسکول میں نہیں لگتا تھا۔ جہاں سوائے ٹوٹے پھوٹے فرنیچر کے کچھ نہیں تھا۔ استاد آتے اور کلاس بھگتا کر چلے جاتے تھے۔ اکثر ہوم ورک چیک کرنے کی زحمت ہی نہیں کرتے تھے اور اگر دل نہ چاہ رہا ہو تو کلاس میں بھی نہیں آتے تھے۔ دفتر میں بیٹھ کر گپیں مارتے رہتے۔

اس موقع پر اسکول کے بچوں کی عید ہوجاتی تھی کیونکہ اسکول کے ساتھ ہی وسیع میدان تھا۔ لڑکے کلاس چھوڑ کر باہر نکل آتے اور کرکٹ شروع ہوجاتی۔ کچھ دن تک تو حماد ڈر کے مارے کلاس ہی میں رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ ٹیچرز کو پروا ہی نہیں ہے تو وہ بھی کھیلنے نکل جاتا۔ اس کے بعد اس کی دلچسپی تعلیم میں نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ وہ بس ہر سال پاس ہوجایا کرتا تھا اور کرکٹ کا شوق ہر گزرتے دن بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک دن اس نے لیگ بریک بالنگ کرانے کی کوشش کی۔ اس پر لڑکوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا تھا کہ عبدل قادر بننے چلا ہے۔

"میں تم لوگوں کو بن کر دکھاؤں گا۔" اس نے غصے سے کہا تھا۔

یہ محض ایک بڑک نہیں تھی۔ اس کی عادت تھی جو کہتا وہ کرکے دکھانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کے گھر کے عقب میں ایک خالی پلاٹ تھا۔ جس پر ایک زمانے میں محلے کے لڑکوں نے کرکٹ وکٹ بنالی تھی کیونکہ سامنے ہی وسیع میدان تھا پھر یہاں بھی گھر بننے لگے اور کرکٹ کی گنجائش ختم ہوگئی پھر خالی پلاٹ پر جھاڑ جھنکاڑ اگ آیا تھا۔ پلاٹ کا مالک بیرون ملک تھا۔ اسے وطن واپس آنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ حماد نے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر جھاڑیاں صاف کیں۔ پچ کی اوپری سطح کو جو بری طرح خراب تھی۔ اسے درست اور ہموار کیا۔ دوست تو جلد اکتا کر بھاگ گئے لیکن وہ لگا رہا۔ ایک ہفتے کی شدید محنت کی بعد پچ تیار تھی۔ اس نے چونے سے نشانات بنائے اور اپنے گھر کی عقبی دیوار پر وکٹ بنائی۔ اب ضرورت تھی ایک کرکٹ بال کی۔ اس کی اتنی استطاعت نہیں تھی کہ نئی بال خرید سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے علاقے میں لگنے والے عارضی بازار کا رخ کیا۔ جہاں کریچ کی اور ہارڈ بالیں بکا کرتی تھیں جو سیکنڈ ہینڈ ہونے کی وجہ سے سستی مل جاتی تھیں۔

اب اس کا معمول تھا۔ اسکول سے آکر کھانا کھاتا اور جیسے ہی ماں سوتیں۔ وہ بال اٹھا کر گھر سے نکل آتا اور ساری

دوپہر عقبی پلاٹ میں گیند لیے بالنگ پریکٹس کرتا رہتا۔ کچھ روز بعد کرائے داروں نے شکایت کی کہ ساری دوپہر ان کی دیوار پر دھم دھم ہوتی رہتی ہے۔ ماں نے اس کی خبر لی۔ لہٰذا حماد نے یہ ترکیب نکالی کہ اینٹیں لاکر دیوار کے آگے جمالیں۔ اب بال ان اینٹوں سے ٹکراتی تھی اور کرائے دار چین کی نیند سوتے تھے۔ موسم کتنا ہی گرم کیوں نہ ہو۔ دھوپ چلچلا رہی ہو یا لُو چل رہی ہو۔ وہ سب سے بے نیاز بالنگ پریکٹس میں لگا رہتا۔ اس کا کوئی استاد نہیں تھا۔ اس نے جو سیکھا خود سے سیکھا تھا۔ البتہ ٹی وی میچوں سے اس نے کچھ نہ کچھ سیکھا تھا۔ وہ بال کراتا اور پھر جاکر خود بال اٹھا کر لاتا اور دوبارہ بال کراتا۔ دوپہر کے ان چار پانچ گھنٹوں میں وہ سیکڑوں بار بال پھینکتا اور جاکر اٹھاتا۔ پہلی بال دس روز بعد پھٹ گئی۔ وہ اس دوران میں اپنی پاکٹ منی جمع کرتا رہا تھا۔

اس نے دوسری بال لی۔ یہ پھٹی تو ابھی اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوئے تھے کہ جاکر ایک اور بال لے آتا۔ لہٰذا اس نے بال موچی سے سلوالی۔ جب ایک بال بالکل ہی ناکارہ ہوجاتی تو وہ اسے اپنے بستر کے نیچے رکھے تھیلے میں ڈال دیتا۔ رفتہ رفتہ تھیلا بھرتا چلا گیا۔ جیسے جیسے تھیلا بھر رہا تھا۔ اس کے فن پر نکھار آتا جارہا تھا۔ اب عالم یہ تھا کہ کل تک جو لڑکے اسے پاگل کہہ کر اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس کی بالنگ کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ایک بار بڑے لڑکوں کی ایک ٹیم نے اسے کھلالیا۔ اور جب اس نے مخالف ٹیم کو محض ساٹھ رنز پر آؤٹ کردیا تو انہوں نے دھاندلی کا الزام لگایا۔ جھگڑا ہوا جو بڑھ کر ہاتھا پائی تک جاپہنچا اور حماد بلا وجہ اس کی لپیٹ میں آگیا۔ مخالف ٹیم کے ایک کھلاڑی نے وکٹ مار کر اس کا سر پھاڑ دیا تھا۔ جب وہ لہولہان سر لیے گھر پہنچا تو عائشہ بیگم تڑپ اٹھی تھیں۔ پہلے تو انہوں نے اس کی مرہم پٹی کی پھر اس کی خبر لی۔

"یہ نامراد کھیل چھوڑ نہیں سکتا۔"

"امی کھیل میں چوٹ تو لگ جاتی ہے۔" وہ بولا۔ اس نے جھگڑے والی بات چھپالی تھی۔

اس کے بعد عائشہ بیگم نے اسے کئی روز گھر سے نکلنے نہیں دیا۔ وہ خود بھی ان جھگڑوں سے گھبرا گیا تھا۔ اس کی شہرت چاروں طرف پھیل رہی تھی اور جب کوئی ٹیم اسے اپنے ساتھ کھلانے کو تیار ہوتی تو مخالف ٹیم اسے دیکھتے ہی کھیلنے سے انکار کردیتی تھی۔ اس میں اتنی استطاعت نہیں تھی کہ کسی کلب کا ممبر بن سکتا۔ وہ ان کا چندہ کہاں سے دیتا۔ جب کہ گھر میں کھانے کے لالے پڑے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کتنی جاں فشانی سے ان کی تعلیم کا خرچ اٹھا رہی ہے۔ بڑی بہن عنزہ میٹرک کرکے فرسٹ ائر میں آگئی تھی اور اب عائشہ خاتون اس کا قد کاٹھ دیکھ کر ہولنے لگیں تھیں۔

میٹرک کے بعد حماد کو کھیل کی وجہ سے ایک اچھے کالج میں داخلہ مل گیا تھا۔ اس دوران میں اس نے کئی بار مختلف کیمپوں میں شرکت کی۔ جو مقامی اور قومی سطح پر ٹیموں کے لیے کھلاڑیوں کے انتخاب کے لیے لگائے گئے تھے مگر اسے ایک بار بھی موقع نہیں ملا کیونکہ نہ تو اس کی سفارش تھی اور نہ اس کا تعلق کسی اچھے کلب سے تھا۔ یہاں اوپر سے نیچے تک ایک خاص نظام تھا۔ جو صرف مخصوص کھلاڑیوں کو آگے جانے دیتا تھا۔ ایک چھلنی کی طرح جس میں صرف مخصوص سائز کے دانے ہی نکل پاتے تھے اور باقی رہ جاتے تھے۔

کبھی کبھار وہ کسی کلب کی طرف سے میچ کھیل لیتا تھا لیکن ایک تو یہ میچ زیادہ تر سیمنٹ پچ پر ہوتے تھے اور دوسرے ان میں اکثر ٹیپ ٹینس استعمال کی جاتی۔ ان دنوں میں ایک اسپنر کے لیے کارکردگی دکھانے کے مواقع محدود تھے۔ اس نے سیونٹین کے لیے ٹرائلز دیے مگر بدقسمتی سے ان ہی دنوں برتھ سرٹیفکیٹ کے مطابق اس کی عمر سترہ سال سے زیادہ ہوگئی تھی۔ جبکہ ٹیم میں کئی ایسے کھلاڑی بھی شامل تھے جو باقاعدگی سے شیو بناتے تھے اور ان کے برتھ سرٹیفکیٹ بتاتے تھے کہ وہ ابھی پندرہ یا سولہ سال کے ہیں۔ یہی صورت حال انڈر نائنٹین کے موقع پر پیش آئی۔ اب وہ ٹرائل دیتے دیتے تھک گیا تھا اور پچھتانے لگا تھا کہ کاش اس نے ماں کی بات مان کر تعلیم کی طرف توجہ دی ہوتی اور کوئی ہنر سیکھا ہوتا تو اب تک کمانے کے قابل ہوگیا ہوتا۔ یوں بیکار نہ پھر رہا ہوتا۔ اس نے انٹر کے بعد کالج چھوڑ دیا تھا۔ ان ہی دنوں اس کی نظر سے بینک کا اشتہار گزرا تھا۔ جس میں نوجوان کھلاڑیوں کو ٹرائلز کے لیے طلب کیا گیا تھا۔ وہ بھی پہنچ گیا اور جب اس نے لڑکوں کی باتیں سنیں تو اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اتنے سارے سفارشیوں کی موجودگی میں اس کا کوئی چانس نہیں بنتا تھا۔ شام تک وہ سوچتا رہا کہ ٹرائل دے یا چلا جائے۔ حتیٰ کہ اسے بلالیا گیا۔ اس نے اپنی پوری صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے بالنگ کرائی۔ خوش قسمتی سے پچ خراب ہو کر خاصا تیز اسپن دے رہی تھی۔ لہٰذا اسے نئی بال سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا اور اس نے ان دونوں کو حیران کردیا تھا ٹرائل کے اختتام پر ان کے جو تاثرات تھے۔ اس سے حماد کو امید ہوئی کہ اس نے آج شاید پالا مارلیا ہے لیکن جب پویلین جاکر اس نے نیب اور اس کے ساتھی لڑکے کی گفتگو سنی تو وہ ایک بار پھر مایوس ہونے لگا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کل نہیں

آئے گا اور واپس چل پڑا تھا۔

○☆○

اچانک کار ایک تیز چیخ کے ساتھ اس سے دو قدم کے فاصلے پر آکر رکی تھی۔ وہ بری طرح چونکا۔ یہ بے حد خوب صورت سرخ رنگ کی اسپورٹس کار تھی اور اندر اس سے بھی زیادہ خوب صورت لڑکی موجود تھی۔ وہ کھڑکی سے سر نکال کر چلائی۔

"کیا مرنے کا ارادہ ہے؟"

حماد نے سوچا لڑکی کی بات قابلِ غور تھی۔ شاید اس کے ذہن میں کہیں خودکشی کا خیال موجود تھا۔ تبھی وہ اس مصروف سڑک پر یوں منہ اٹھائے چلا جا رہا تھا اور اس کا ذہن ماضی میں تھا۔

"سوری مس، میں دراصل کچھ سوچ رہا تھا۔" وہ کھڑکی کے قریب آکر بولا۔

"سوچنے کے لیے سب سے اچھی جگہ انسان کا گھر ہوتی ہے۔ گھر جاؤ اور خوب سوچو۔" لڑکی نے کار دوبارہ اسٹارٹ کی۔

"مشورے کا شکریہ۔" حماد مسکرایا۔ اس لڑکی نے اس پر اچھا اثر ڈالا تھا اور اس کے ذہن پر چھائی مایوسی کسی قدر کم ہوئی تھی۔

اچانک لڑکی نے کار کا انجن بند کردیا "تم اسٹیڈیم کی طرف سے آرہے ہو۔" وہ بغور اس کی سفید پینٹ شرٹ کو دیکھ رہی تھی۔

"اتفاق سے۔" حماد بولا۔

"اگر تم کہو تو میں تمہیں اسٹاپ تک چھوڑ دوں۔" لڑکی نے پیش کش کی۔

"نہیں شکریہ میں چلا جاؤں گا۔ زیادہ دور نہیں ہے۔" حماد نے کہا "تمہارا شکریہ۔"

"ایز یو لائک۔" لڑکی نے کار آگے بڑھا دی اور حماد دوبارہ اسٹاپ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس دفعہ اس کے قدموں میں تیزی تھی اور چہرے کی تھکاوٹ بھی کم لگ رہی تھی۔

○☆○

"آج میری بیٹی مجھے لینے آئے گی۔" اطہر نے شہریار سے کہا۔

"آپ کی بیٹی!" شہریار حیرت سے بولا۔

"ہاں اور ایک ہی ہے۔ اس کے بعد خدا نے یہ کرم کیا ہی نہیں۔" اطہر نے گہری سانس لی۔ اسے شروع سے ایک بیٹے کی آرزو تھی۔ جسے وہ کرکٹر بناتا اور پھر اسے بلندی پر پہنچتے دیکھتا۔ جہاں وہ خود نہیں سکا تھا۔ یہ ماں باپ کی فطرت ہے۔ اپنی تشنہ خواہشوں کو وہ اپنی اولاد کی صورت میں پورا کرنا چاہتے ہیں۔

"ڈیڈ۔" اچانک لیلیٰ کے چلانے کی آواز آئی۔

شہریار نے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ پیازی رنگ کے سوٹ اور اسی رنگ کے دوپٹے میں وہ گلابی سی اور نازک سی لڑکی بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ اچانک اسے ہوش آگیا۔ وہ جھینپ گیا۔ عمروں کے فرق کے باوجود اس کی اطہر سے دوستوں جیسی بے تکلفی تھی اور اس لحاظ سے یہ لڑکی اس کی بھتیجی لگتی تھی۔

"یہ ہے میری بیٹی لیلیٰ۔" اطہر مسکرایا "پوری شیطان کی خالہ ہے۔"

اس نے قریب آتے ہوئے سن لیا تھا "ڈیڈ آپ نے مجھے شیطان کی خالہ کہا۔" اس نے منہ پھلا کر کہا "آپ کو فائن ہوگا۔"

"برا تو شیطان کو ماننا چاہیے۔" اطہر ہنسا "ویسے فائن کیا ہوگا۔"

"کچھ نہیں ابھی راستے میں ایک آئس کریم پارلر دیکھا تھا۔ شاید نیا کھلا ہے۔ بس وہاں چل کر اسے چیک کریں گے۔"

"اچھا بھئی شہریار مجھے دو اجازت۔ میں ذرا جرمانہ بھر آؤں۔" اطہر ہنسنے لگا۔

آئس کریم کھاتے ہوئے اچانک اطہر کو حماد کا خیال آیا "نہ جانے کہاں ہوگا۔ کل آئے گا بھی یا نہیں۔" اس نے آئس کریم جیسی ٹھنڈی آہ بھر کر خود سے کہا۔

"کون ڈیڈ؟" لارج کپ سے انصاف کرتی لیلیٰ نے پوچھا۔

جواب میں اطہر نے اسے تفصیل سے حماد کے بارے میں بتا دیا۔ وہ چونکی "ڈیڈ اس کے بال گھنگریالے تھے اور ٹھوڑی پر دائیں جانب کسی کٹ کا پرانا نشان تھا۔"

"ہاں، لیکن تمہیں کیسے معلوم اس کے بارے میں؟"

"وہ ابھی کچھ دیر پہلے میری کار تلے آتے آتے بچا تھا۔" لیلیٰ اطمینان سے بولی۔

"لیلیٰ کتنی بار کہا ہے گاڑی زیادہ تیز مت چلایا کرو۔" اطہر نے اسے گھورا۔

"تیز کہاں چلا رہی تھی۔ اسی لیے تو بچ گئے موصوف بیچ سڑک پر نہ جانے کن سوچوں میں گم چلے جا رہے تھے۔"

"ہی از اے رئیل ینگ ٹیلنٹڈ پلیئر۔" اطہر بولا "لیکن یہ سفارشی اس کا حق مار جائیں گے۔"

"سلیکشن تو آپ کے ہاتھ میں ہے ڈیڈ۔"

"تم نہیں سمجھو گی۔" اطہر نے گہری سانس لی "جب

اوپر سے حکم آئے گا تو میں مجبور ہو جاؤں گا۔"

"میں نانا سے بات کروں گی۔" لیلی طیش سے بولی "ارے واہ اتنا اچھا کھلاڑی رہ جائے اور سفارشی منتخب ہوتے رہیں۔"

"لیلی یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ تم جانتی ہو پاپا بزنس میں مداخلت بالکل پسند نہیں کرتے۔"

"اس میں بزنس کہاں سے آگیا۔" لیلی حیران ہوئی۔

"منیب اختر کا باپ اختر منیر، تمہارے نانا کا بزنس پارٹنر ہے اور وہ ہر حال میں منیب کو سلیکٹ کرانا چاہیں گے۔"

لیلی کچھ بولی نہیں لیکن وہ پُرخیال انداز میں کچھ سوچ رہی تھی۔

○☆○

"ڈیڈی اس نے میری اور آپ کی توہین کی۔" منیب نے پیر پٹخ کر کہا۔

اختر منیر اپنے دفتر کی شیشے کی دیوار کے سامنے کھڑا دور تک پھیلے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ ایک طرف فلک بوس عمارتیں پھیلی تھیں اور دوسری جانب بندرگاہ کی تنصیبات نظر آرہی تھیں۔ اختر منیر کے اس عمارت کے پورے دو فلور خرید لیے تھے اور یہی اس کی متعدد کمپنیوں کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا۔ اس شام وہ منتظر تھا کہ منیب آکر اسے اپنے سلیکشن کی خوش خبری سنائے گا لیکن اس نے اندر گھستے ہی یہ جملہ کہہ کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

"اپنی بات واضح کرو۔" اس نے سکون سے کہا۔

"اور کیا واضح کروں۔" منیب چلایا "اس نے مجھے مسترد کردیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے کہا کہ وہ کسی کے باپ کی پروا نہیں کرتا اور یہ بھی کہ میں دفع ہو جاؤں۔"

"کس نے؟" اختر نے اسی سکون سے پوچھا۔

"اسی کتے کے بچے اطہر وقار نے۔ ہی از اے ریئلی باسٹرڈ۔"

"شٹ اپ۔" اس بار اختر کا لہجہ سخت تھا "کتنی بار کہا ہے۔ مجھے گالیوں سے چڑ ہے۔ گالی وہی دیتا ہے جو بے بس ہو اور دشمن کے خلاف کچھ کرنے کی اس میں طاقت نہ ہو اور تم اختر منیر کے بیٹے ہو۔"

"سوری ڈیڈی۔" منیب بولا۔ اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا "لیکن میرا سلیکشن تو رہ گیا۔"

"تم سلیکٹ ہو گے۔ ابھی اور راستے بند نہیں ہوئے ہیں۔"

"ڈیڈی آپ کس دنیا میں ہیں۔ اس نے کسی لڑکے کو سلیکٹ کرلیا ہے۔"

"میں نے کہا ناں کہ یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ اپنی توجہ صرف پریکٹس پر دو۔ یہ کلبوں اور لڑکیوں کے چکر چھوڑ دو اگر بڑی کرکٹ کھیلنا چاہتے ہو۔"

"میں بہت عرصے سے کلب نہیں گیا۔" منیب کمزور لہجے میں بولا۔

"اور آئندہ تم ڈرنک بھی نہیں کرو گے۔ یہ کھیل کی قاتل ہوتی ہے۔"

منیب دم بخود رہ گیا۔ وہ باپ سے بہت چوری چھپے پیتا تھا لیکن اسے علم ہو گیا تھا "سوری۔۔۔ سوری ڈیڈی۔" وہ اتنا ہی کہہ سکا۔

"ڈونٹ وری سن، یہ ہمارے اسٹیٹس کا ایک حصہ ہے۔ آخر گورے بھی پیتے ہیں لیکن ایک حد میں رہ کر، ورنہ انسان کرکٹ تو کیا کیرم کھیلنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ بالر کا اسٹیمنا تو ویسے بھی زیادہ ہونا چاہیے۔ تم قومی ٹیم میں کھیلنا چاہتے ہو۔ اس کے لیے تمہیں خود کو تیار بھی کرنا ہے۔ میرا کام تمہیں وہاں تک پہنچانا ہے۔ جو میں کرسکتا ہوں۔ لیکن ٹیم میں جگہ بنانا خود تم پر منحصر ہے۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں۔"

"جی ڈیڈی۔" منیب کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا تھا۔

اختر منیر نے اسے اشارے سے جانے کو کہا اور وہ پھرتی سے باہر نکل گیا۔ اختر منیر کچھ سوچتے ہوئے ٹہلنے لگا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے اس نے فون اٹھایا۔ نمبر ملایا "ہیلو شفقت علی، میں بات کررہا ہوں اختر۔"

"اوہ اختر کیسے فون کیا؟"

اس دفعہ اختر منیر کا لہجہ سرد تھا "یہ بتانے کے لیے کہ میں کمپنی سے ود ڈرا ہورہا ہوں۔ قواعد کے مطابق میں ایک مہینے کے اندر اپنا سرمایہ نکال لوں گا۔"

چند لمحے شفقت علی کے منہ سے آواز ہی نہیں نکلی تھی پھر وہ بوکھلا کر بولا "کیا کہہ رہے ہو۔ شاید میں نے کچھ غلط سنا ہے۔"

"تم نے درست سنا ہے۔"

"لیکن کیوں۔ یہ بیٹھے بٹھائے تمہیں کیا سوجھی۔"

"شفقت علی میں فیئر بزنس کا قائل ہوں اور ان لوگوں سے کاروبار پسند نہیں کرتا جو کہہ کر اپنی بات سے پھر جائیں۔"

"میں اپنی کس بات سے پھرا ہوں؟" شفقت علی بولا۔

"میرا بیٹا منیب آج ٹرائل دینے بینک کے گراؤنڈ پر گیا تھا۔ اسے وہاں سے بے عزت کرکے نکالا گیا ہے۔"

"اوہ نو، ایسا کوئی نہیں کرسکتا میں نے خود اطہر کو اس کے بارے میں بتایا تھا۔ تم اطہر کو جانتے ہو۔"

"اچھی طرح۔" اختر منیر کا لہجہ خشک تھا "اس نے نہ

صرف منیب کو سلیکٹ کرنے سے انکار کیا ہے بلکہ اس نے میری توہین بھی کی ہے۔ تم جانتے ہو میں توہین برداشت نہیں کرتا۔"

"میرا خیال ہے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ابھی اطہر سے بات کرکے تمہیں رنگ کرتا ہوں۔"

"اور بہتر ہوگا کہ تم مجھے منیب کے سلیکشن کی خبر سناؤ۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون رکھ دیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی آگئی تھی "صحیح وقت پر، صحیح جگہ، صحیح ضرب۔" اس نے خود سے کہا پھر اس نے انٹر کام پر سیکریٹری سے کافی لانے کو کہا۔ اسے یقین تھا کہ کچھ دیر بعد شفقت علی منیب کے سلیکٹ ہونے کی خوش خبری سنائے گا۔ جو چانس اسے نہیں مل سکا تھا۔ وہ اس کے بیٹے کو ملنا چاہیے۔

"کرکٹ کی اقدار۔" اس نے زیر لب کہا "مائی فٹ۔ اب یہ صرف پیسے کا کھیل ہے۔"

اختر منیر ایک زمانے میں کلب کرکٹ کھیل چکا تھا اور اسے فرسٹ کلاس کرکٹ میں آنے کا موقع ملا تھا۔ جو اس زمانے میں ہر کرکٹر کا خواب ہوا کرتی تھی۔ فرسٹ کلاس کرکٹ کی بڑی اہمیت ہوا کرتی تھی اور قومی ٹیم کے سپر اسٹارز بھی باقاعدگی سے ڈومیسٹک کرکٹ میں حصہ لیا کرتے تھے اور عوام بھی ان میچوں میں دلچسپی لیتے تھے۔ ہر نوجوان کرکٹر کی آرزو ہوا کرتی تھی کہ اپنی ایسوسی ایشن کی نمائندگی حاصل کرے۔ اس کا بلیزر اور کلر ہر لڑکے کا خواب ہوا کرتا تھا۔ بین الاقوامی کرکٹ تو بہت ہی اونچی شے سمجھی جاتی تھی اور وہاں تک رسائی ہر کس و ناکس کے بس کی بات کی نہیں تھی۔ ایسی کوئی مثال نہیں تھی کہ کوئی شخص کلب کرکٹ یا انڈر ایٹین ٹیم سے اٹھ کر براہِ راست قومی ٹیم تک جا پہنچے۔ فرسٹ کلاس کرکٹ کی چھلنی سے گزرے بغیر وہاں تک رسائی ممکن نہیں تھی۔ جو آج کل کے دور میں ایک عام سی بات بن گئی ہے۔

اختر منیر اچھا بلے باز تھا لیکن اس سے کہیں اچھے بلے باز موجود تھے جو کراچی کی طرف سے کھیلنے کے منتظر تھے۔ ٹرائلز کے بعد اختر منیر کے ساتھ تین اور کھلاڑی منتخب کیے گئے۔ جن میں سے دو کو ایسوسی ایشن کی ٹیم میں لیا جانا تھا۔ اختر منیر نے میدان میں ہر ممکن کوشش کے بعد میدان سے باہر بھی کوششیں شروع کر دیں۔ وہ ایک دولت مند اور بارسوخ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے باپ نے ایسوسی ایشن کے صدر سے بات کی کیونکہ وہ اس کے اچھے دوستوں میں شمار ہوتا تھا۔

مگر اس کا نتیجہ اس کے حق میں عبرت ناک نکلا اور ایسوسی ایشن کے صدر نے اسے سفارش کرانے کے الزام میں تاعمر ایسوسی ایشن کی طرف سے کھیلنے سے منع کر دیا۔ اس نے کہا تھا "ینگ مین، کرکٹ جنٹل مینوں کا کھیل ہے۔ یہ کھیل نہیں ایک اقدار ہے۔ کرکٹ کے معنی ہی فیر پلے کے ہیں۔ تم نے جو حرکت کی ہے۔ اس کی کم سے کم سزا یہی ہے۔"

پابندی سے زیادہ بے عزتی کے احساس نے اسے کرکٹ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بات آج تک اس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھی ہوئی تھی۔

○☆○

شفقت علی نے طیش سے لرزتے ہاتھوں سے اطہر کے گھر کا نمبر ملایا اور خود کو سمجھانے لگا کہ ڈاکٹر نے اسے ہیجان میں آنے سے منع کیا ہے۔ یہ بات وہ فون ملتے ہی بھول گیا۔ فون شمائلہ نے اٹھایا تھا "پاپا آپ کہاں ہیں۔ اتنے دنوں سے آئے بھی نہیں۔"

"اطہر کہاں ہے؟"

"اطہر ابھی اسٹیڈیم سے نہیں آئے۔ آج لیلیٰ انہیں لینے گئی ہے اوہ ایک منٹ پاپا۔ ہارن کی آواز آئی ہے۔ وہ لوگ آگئے ہیں۔"

"تم فوراً اطہر کو بلاؤ۔"

باپ کے لہجے سے شمائلہ نے بھانپ لیا کہ کوئی گڑبڑ ہے "خیریت پاپا آپ کچھ ٹینس لگ رہے ہیں۔"

"اور اس ٹینشن کی وجہ تمہارا شوہر ہے۔" شفقت علی تلخی سے بولا۔

"لیجیے وہ آگئے۔" شمائلہ نے فون اطہر کو تھما دیا "پاپا ہیں اور خاصے غصے میں ہیں۔" وہ دبی آواز میں بولی۔

"حیرت ہے۔ سسر محترم کو اتنی جلدی میرے کارنامے کا علم ہوگیا۔" اس نے ہنس کر کہا اور فون کان سے لگالیا۔

"اطہر تم نے سلیکشن رپورٹ تیار کرلی ہے۔" شفقت علی نے بلا تمہید پوچھا۔

"نہیں ابھی تیار کرنے جارہا ہوں۔" وہ بولا۔

"تو اس میں منیب اختر کا نام ہونا چاہیے۔" شفقت علی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اطہر چند لمحے خاموش رہا "سوری۔ میں نے ایک اور لڑکے حماد احمد کو منتخب کرلیا ہے۔ وہ بہترین لیگ اسپنر ہے۔"

"جہنم میں جائے یہ لڑکا۔ مجھے ہر صورت منیب کا سلیکشن چاہیے۔ تم جانتے ہو کہ اس کا باپ میرا بزنس پارٹنر ہے اور وہ اگر کاروبار سے اپنا سرمایہ نکال لے تو میں تباہ ہوجاؤں گا۔"

"پاپا۔ وہ لڑکا اگلے سال منتخب ہوجائے گا۔" اطہر بولا۔

"اگلے سال نہیں اسی سال۔ ابھی اس کے باپ نے

مجھے بتایا ہے کہ تم نے اسے برا بھلا کہا۔ اطہر تم اس شخص کو نہیں جانتے وہ کتنی بڑی بلا ہے۔ وہ مجھے بینک سے بھی نکلوا سکتا ہے۔"

اطہر جانتا تھا کہ شفقت علی نے اپنے ہاتھ پیر بچا کر سارے کام کیے تھے اور اسے تو بینک کا صدر بھی نہیں نکال سکتا تھا بلکہ خفیہ سودوں میں وہ بھی اس کا محتاج تھا۔ اطہر یہ بھی جانتا تھا کہ کئی نئے بینکوں کی تشکیل میں شفقت علی کا ذہن اور سرمایہ کام کر رہا تھا۔ اس نے بے اندازہ خفیہ دولت جمع کر رکھی تھی۔ جسے ان بینکوں میں جعلی ناموں سے استعمال کر رہا تھا۔ لہٰذا اس نے چنے تلے الفاظ میں کہا "پاپا آپ کو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور پھر اس لڑکے کی سفارش خود لیلیٰ نے کی ہے آپ جانتے ہیں کہ میں اس کی بات نہیں ٹال سکتا۔" اس نے خوب صورتی سے سارا ملبہ لیلیٰ پر ڈال دیا تھا۔ لیلیٰ کا نام سن کر شفقت علی کو بھی چپ لگ گئی تھی۔

"یہ معاملے بچوں کے دیکھنے کے نہیں ہیں۔ میں لیلیٰ کو سمجھا لوں گا۔"

"بہتر ہوگا آپ اس سے بات کرلیں۔" اطہر نے لیلیٰ کو فون تھما دیا۔

"جی نانا' ہاں وہ بہت اچھا کھلاڑی ہے۔ میں نے خود اسے کھیلتے دیکھا ہے۔ میرے کالج میں میچ کھیلنے اس کی ٹیم آئی تھی۔ کیسا کھلاڑی ہے۔" وہ ذرا گڑبڑائی۔ اطہر نے اسے آہستگی سے بتایا کہ حماد لیگ اسپنر ہے "ہاں نانا۔ وہ لیگ اسپنر ہے۔ نانا آپ نے اسے بینک کی ٹیم میں سلیکٹ کرنا ہے۔ اگلے سال۔ جی نہیں میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ کیوں وعدہ کیا ہے؟"

لیلیٰ نے گڑبڑا کر ایک بار پھر باپ کی طرف دیکھا۔ اطہر کو محسوس ہونے لگا تھا کہ اب یہ لڑکی کام خراب کردے گی۔ اس نے جلدی سے فون لے لیا "جی پاپا۔ آپ نے سن لیا۔ وہ دراصل لیلیٰ کی فرینڈ کا بھائی ہے۔ کون سی فرینڈ کا۔" اس دفعہ اطہر نے بے چارگی سے لیلیٰ کی طرف دیکھا۔ اس نے فون لیا "جی نانا۔ وہ میری کالج کی فرینڈ ہے۔ اسماء اس کا بھائی ہے۔ نانا آپ ایک بار اسے کھیلتے دیکھ لیں تو خود اسے آفر کریں۔"

لیلیٰ نے ایک بار پھر ریسیور اطہر کی طرف بڑھا دیا "تمہیں بہرحال منیب کو سلیکٹ کرنا ہے۔" شفقت علی کہہ رہا تھا "میں اس لڑکے کے لیے بینک کے صدر سے بات کرتا ہوں۔ امید ہے کوئی جگہ نکل آئے۔"

"امید نہیں پاپا۔" اطہر نے مضبوط لہجے میں کہا "اگر آپ منیب کو ٹیم میں لینا چاہتے ہیں تو آپ کو ہر حال میں حماد کے لیے جگہ نکالنی ہوگی۔"

"او کے سن آئی ول ٹرائی بیسٹ۔" شفقت علی نے فون رکھ دیا۔

"نانا مان گئے۔" لیلیٰ نے خوش ہو کر کہا۔

"لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے۔" اطہر پر خیال انداز میں بولا۔

○☆○

اطہر وقار اگلے روز بیٹنگ سیشن کے دوران میں حماد احمد کا منتظر رہا لیکن وہ نہیں آیا۔ ایک کے بعد ایک کرکے لڑکے ٹرائل دیتے رہے۔ مگر ان میں حماد کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔ پہلے اطہر کو فکر ہوئی جو تشویش میں بدلی اور تشویش بالآخر غصے میں بدل گئی۔ اس نے دل ہی دل میں کئی بار حماد کو بے نقط سنائیں اور نئی نسل کو غیر ذمے دار اور بے پروا قرار دیا۔ شام کو گھر واپسی کے وقت وہ اس پر لعنت بھیج کر اسے بھولنے کا فیصلہ کرچکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اپنے سسر کو یہ کیسے کہے کہ اب وہ حماد کے لیے زحمت نہ کریں مگر گھر میں گھستے ہی اس کی ملاقات لیلیٰ سے ہوگئی جو لان میں شمائلہ کے ساتھ بیڈمنٹن کھیل رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی۔

"کیا ہوا ڈیڈ آپ نے اسے خوش خبری سنا دی۔" اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"وہ اُلّو کا پٹھا آتا تو میں اسے بہت کچھ سناتا۔" اطہر نے کہا۔

"وہ۔ آیا ہی نہیں۔" لیلیٰ بولی "ڈیڈ' اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ ہوگئی ہو۔ وہ کل بھی بہت مایوس نظر آرہا تھا۔ بہتر ہوگا آپ اسے اطلاع کردیں۔"

"میرے پاس اس کا ایڈریس نہیں ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ماڈل کالونی میں رہتا ہے۔"

"پلیز پاپا۔ یہ ایک نوجوان کے مستقبل کا سوال ہے۔ آپ کچھ کریں۔" لیلیٰ بولی تو اطہر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ ایک غیر لڑکے کے لیے جس سے اس کی محض ایک ملاقات ہوئی تھی۔ اتنی جذباتی کیوں ہو رہی تھی۔ بادل ناخواستہ اطہر نے رضامندی ظاہر کردی۔ یہ سوچ کر کہ ایک کوشش میں کوئی حرج نہیں ہے پھر اسے یاد آیا کہ اس کا ایک جاننے والا اسی علاقے میں رہتا ہے۔ اس نے فون اٹھا کر اس کا نمبر ملایا۔

○☆○

حماد تھکے ہوئے قدموں سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگیا۔ شام ڈھل جانے سے سیمنٹ کی سیڑھیاں کسی قدر ٹھنڈی پڑ گئی تھیں۔ ورنہ دوپہر کو تو کمرے جیسے آگ اگلنے لگتے تھے۔ ان برسوں میں حماد نے اپنے لیے ایک چھوٹا کمرا بنوالیا تھا۔ ایک کمرے میں ماں اور دونوں بہنیں رہتی تھیں اور دوسرے

کمرے کو ڈرائنگ روم بنالیا گیا تھا۔ حماد اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ آج اسے ایک ٹیم اپنے ساتھ کھلانے کے لیے لے گئی تھی۔ کیونکہ رقم والا میچ تھا لہٰذا اسے بھی سو روپے ملے تھے۔

"چائے لاؤں۔" عنزہ نے اس کے کمرے میں جھانکا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" وہ اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں منزہ بھی ٹیوشن سے آگئی۔ وہ محلے کے کچھ بچوں کو ٹیوشن پڑھانے جاتی تھی۔ عنزہ نے ایک بوتیک کے کرتے کاڑھنے شروع کردیے تھے۔ یوں جو آمدنی ہوتی تھی۔ عائشہ بیگم اسے ان دونوں کی شادی کے لیے جوڑ رہی تھیں۔ بہنوں کو محنت کرتے دیکھ کر حماد کے اندر جیسے کچھ کٹنے لگتا تھا۔ اس کا دل چاہتا کہ کہیں سے چراغ الہ دین اس کے ہاتھ لگ جائے اور وہ پلک جھپکتے میں اپنے گھر کے حالات بدل کر رکھ دے۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کے بس میں کچھ نہیں تھا۔ وہ کمانے کے لیے کوئی اور راہ اختیار بھی نہیں کرسکتا۔ حالانکہ ایسا کرنا بہت آسان تھا۔ ایک نامعلوم شخص اسے ایک ہوٹل میں ملا۔ اس نے پیشکش کی کہ اگر وہ کچھ سامان لے جانے کو تیار ہو تو وہ اسے انگلستان جانے والی انڈر نائنٹین میں شامل کراسکتا ہے۔ اس نے فوراً انکار کردیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اس سے کوئی غیر قانونی چیز اسمگل کرائیں گے۔ شاید ہیروئن اور اگر وہ پکڑا گیا تو باقی عمر جیل کی سلاخوں کے پیچھے کٹے گی اور اس وقت اس نے خدا کا شکر ادا کیا جب اخبار میں خبر چھپی کہ انگلستان جانے والی انڈر نائنٹین ٹیم کے ایک کھلاڑی کے پاس سے ہیروئن برآمد ہوئی تھی۔

"بھائی آجاؤ۔ چائے تیار ہے۔" منزہ نے اس کے کمرے میں جھانکا۔

دونوں نے صحن میں چھوٹی سی میز پر چائے اور پکوڑے سجا رکھے تھے "زندہ باد۔" حماد نے نعرہ لگایا "یہ کس نے بنائے ہیں مابدولت اسے انعام دیں گے۔" اس نے جیب سے سو کا نوٹ نکال کر لہرایا۔

"باجی نے۔" منزہ بولی۔

"چلو پھر یہ انعام تمہارا ہوا۔" حماد نے شاہانہ انداز میں نوٹ اسے تھمادیا "اسے اپنے جہیز اکاؤنٹ میں جمع کرلو۔"

"بکومت۔" عنزہ جھینپ گئی تھی۔

"امی کہاں ہیں؟" حماد نے ایک سالم پکوڑا منہ میں رکھا۔

"عرفان بھائی کے ہاں۔ آج ان کے سسرال والے تاریخ طے کرنے آرہے ہیں۔"

"حماد!" اچانک نیچے سے کسی نے چلا کر کہا "فوراً نیچے آؤ۔"

"یہ کون آگیا ہے۔" منزہ کا منہ بن گیا "ابھی بھائی گھر میں آنا بھی نہیں ہے اور دوست پیچھے سے پہنچ جاتے ہیں۔"

"یہ جاوید کی آواز لگ رہی ہے۔" حماد نے جلدی جلدی پکوڑوں سے انصاف کرتے ہوئے کہا اور چلایا "ابھی آتا ہوں۔"

اس نے دو گھونٹ میں گرم چائے ختم کی اور نیچے کی طرف دوڑا۔ جہاں جاوید اسے دیکھتے ہی لپٹ گیا۔ وہ اس کے بے تکلف دوستوں میں سے تھا۔ اس نے حماد کی کمر پر گھونسا رسید کیا "بدمعاش دوستوں سے بھی عیاری۔ اب تجھے ڈبل مٹھائی کھلانی پڑے گی۔"

"کیا بک رہا ہے؟" حماد بولا۔

"اچھا جی تو میں بک رہا ہوں۔ فوراً اپنے الفاظ واپس لے۔ ورنہ جو خبر تجھے سنانے جارہا ہوں وہ کینسل۔" جاوید نے دھمکی دی۔

"واپس لیے میرے چچا۔" حماد نے ہاتھ جوڑے "جو کہنا ہے جلدی کہہ ابھی مجھے جاکر نہانا بھی ہے۔"

"بیٹے اب تو کڑھائی میں نہائے گا۔ تو نے کل کسی بینک کی ٹیم کے لیے ٹرائل دیے تھے۔"

"ہاں دیے تو تھے مگر۔۔۔" حماد کا دل دھڑکنے لگا۔

"ابے تو سلیکٹ ہوگیا۔" جاوید ایک بار پھر اس سے لپٹ گیا "کوئی اطہر وقار ہیں۔ ابو کے دوست ہوتے ہیں ان کا فون آیا تھا۔ تجھے کل بلایا ہے۔"

حماد ساکت کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ شکرانے کے آنسو "تو ابھی ٹھہر!" وہ اوپر کی طرف بھاگا۔ بہنیں اسے یوں آتے دیکھ کر ڈر گئیں "عنزہ جلدی سے سو روپے دو بلکہ کچھ اور رقم ہے تو وہ بھی دے دو ادھار، واپس کردوں گا۔"

"خیر تو ہے بھائی۔" منزہ بولی۔

"خیر۔" حماد چہکا "ابھی مٹھائی لے کر آؤں پھر خوش خبری سناؤں گا۔"

جب تک وہ مٹھائی لے کر آیا۔ خبر سارے محلے میں پھیل چکی تھی اور اس کے سارے دوست جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے اسے وہیں گھیر لیا اور اس وقت چھوڑا جب مٹھائی کے دونوں ڈبے خالی ہوگئے۔ وہ چٹخارہ گیا۔ عائشہ بیگم کو خبر ملی تو وہ گھر کی طرف لپکیں۔ جہاں حماد کے دوست ناچ رہے تھے اور وہ یوں خوش تھا جیسے اسے دو جہاں کی خوشیاں مل گئی ہوں۔ عائشہ بیگم شکرانے کے نفل ادا کرنے لگیں۔ جلد ہی محلے کی عورتیں بھی مبارک دینے آنے لگیں۔

اگلے روز حماد بینک کے گراؤنڈ پر پہنچا۔ جہاں اطہر اسے دیکھتے ہی برس پڑا تھا "کہاں غائب ہوگئے تھے۔ جانتے ہو اگر

اتفاق سے ہاشمی صاحب تمہارے محلے میں نہ رہ ... رہے ہوتے تو یہ چانس تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور کرکٹ میں چانس بار بار نہیں ملا کرتے تھے۔"

حماد خاموشی سے سر جھکائے سنتا رہا اور جب اطہر خاموش ہوا تو صرف اتنا کہا "سوری سر۔"

"چلو آج تمہارا بیٹنگ ٹرائل ہے۔" اطہر اس کی معذرت پر کسی قدر ٹھنڈا ہو گیا۔

کیونکہ فائنل سلیکشن ہو چکا تھا لہٰذا پوری ٹیم گراؤنڈ پر موجود تھی۔ اگلے سیزن کے پہلے تربیتی کیمپ کا آغاز ہونے والا تھا۔ کراچی کے تمام کھلاڑی موجود تھے۔ البتہ دوسرے علاقوں کے رہنے والے کھلاڑی آنے والے تھے۔ بیٹنگ سیشن کے دوران میں اطہر نے حماد کو پیڈز باندھنے کو کہا۔ وہ نیٹ نمبر تین پر آیا جہاں بینک کے نوجوان کھلاڑی اطہر کی نگرانی میں بیٹنگ پریکٹس کر رہے تھے۔ اطہر ہر بال کے بعد چلا کر بلے باز کو سناتا "یہ تم ڈرائیو کر رہے ہو یا بلا دور پھینک رہے ہو۔ بلے کو جسم کے قریب رکھو احمق۔ شارٹ بال کو فرنٹ فٹ پر کون احمق کھیلتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

یہ سب دیکھ کر حماد کا خون خشک ہو رہا تھا۔ اسے بیٹنگ کا زیادہ تجربہ نہیں تھا۔ وہ صرف سیدھے بیٹ سے کھیلتا تھا۔ اور زیادہ تر دفاعی بیٹنگ کرتا تھا اور جب اطہر نے اسے پچ پر آنے کو کہا تو وہ مرے مرے قدموں سے کریز کی طرف بڑھ گیا۔ سامنے بینک کا نیا فاسٹ بالر تھا۔ اس روز جب حماد گھر کی طرف جا رہا تھا تو وہ اطہر کی کوچنگ کا قائل ہو گیا تھا۔ اس نے نہ صرف اسے اس کی بیٹنگ کی خامیوں سے آگاہ کیا بلکہ باؤلنگ کے بارے میں بھی کئی کار آمد باتیں سکھائی تھیں۔ مثلاً یہ کہ بالنگ کراتے ہوئے ایک ہی ایکشن سے مختلف بالیں کس طرح پھینکی جاتی ہیں۔

اطہر نہیں جانتا تھا کہ اس کے سر نے بینک کے صدر کو چوتھے کھلاڑی کے لیے کس طرح رضامند کیا تھا کیونکہ وہ آئے دن بینک میں ڈاؤن سائزنگ کے منصوبوں پر غور کرتا تھا اور اس نے سب سے پہلا اعتراض اسپورٹس ڈویژن پر ہی کیا تھا۔ جس میں سیکڑوں مفت کے ملازمین کام کر رہے تھے۔ اس نے فوری طور پر ایسے تمام کھیلوں کے شعبے ختم کرنے کا حکم دیا جن میں بینک کی کارکردگی قابل ذکر نہیں تھی۔ اور ان کے کھلاڑیوں کو فارغ کر دیا گیا۔ اسے کرکٹ ٹیم کے انیس کھلاڑیوں پر بھی اعتراض تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ پندرہ کھلاڑی کافی ہوتے ہیں اور اس نے وارننگ دے دی تھی کہ اس سیزن میں جن کھلاڑیوں نے اچھی کارکردگی نہیں دکھائی اس کی سابقہ خدمات سے قطع نظر اسے فارغ کر دیا جائے گا۔ بے روزگاری کے اس دور میں اس خوفناک دھمکی نے تمام ہی کھلاڑیوں کو چوکنا کر دیا تھا۔ اور اب وہ سنجیدگی سے نیٹ پریکٹس اور تربیت پر توجہ دے رہے تھے۔

جلد ہی اطہر کو معلوم ہو گیا کہ حماد کو کیوں ٹیم میں جگہ ملی ہے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مظفر خان کو ٹیم سے نکالا جا رہا ہے۔ مظفر خان گزشتہ بیس سال سے بینک کی ٹیم سے منسلک تھا۔ وہ بہت اچھا مڈل آرڈر بیٹسمین تھا۔ اپنے عروج کے دور میں اس نے بہت اچھی کارکردگی دکھائی تھی۔ اسے قومی ٹیم میں چانس بھی ملا مگر وہ اس چانس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اس دور میں قومی ٹیم میں بہت سارے اچھے بلے باز تھے۔ لہٰذا اسے دوبارہ چانس نہیں ملا۔ ہر کھلاڑی کی طرح اس پر بھی زوال آیا۔ کچھ عمر کا تقاضا تھا اور کچھ اس کی پریکٹس سے عدم دلچسپی۔ رفتہ رفتہ اس کی بیٹنگ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ گزشتہ تین سیزن سے اس نے ایک بھی سنچری اسکور نہیں کی تھی۔ اطہر کو اسی کا خطرہ تھا لیکن یوں اچانک اسے ٹیم سے نکالنا نا انصافی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ مظفر ان دنوں مالی بحران میں تھا۔ کچھ عرصے پہلے اس کی چھوٹی بیٹی کو خون کا کینسر ہو گیا تھا اور اس کے علاج پر خاصا خرچا آ رہا تھا۔ جو بینک پورا کر رہا تھا مگر اسے ملازمت سے نکالنے کے بعد ظاہر ہے۔ اس کی بیٹی کا علاج بھی رک جاتا۔ ان دنوں وہ اپنے بنی فٹ میچ کی تیاری کر رہا تھا۔ ملازمت سے نکالا جانا اس کے لیے دھچکا تھا۔ وہ اطہر کے سامنے رو دیا تھا۔

"مجھے کھانے کی فکر نہیں ہے۔ دو وقت کی روٹی تو میں کما ہی لوں گا۔ لیکن میری بچی وہ علاج کے بغیر مر جائے گی۔"

مظفر خان بعد میں بینک کے صدر سے ملا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ بینک کی طرف سے اسے ایک لاکھ روپے مل گئے۔ ورنہ دوسرے کھلاڑیوں کو یہ بھی نہیں ملتے تھے۔ وہ عام ملازمین کی طرح نہیں ہوتے ہیں۔ جو متعدد مراعات کے حق دار ہوتے ہیں۔ انہیں صرف تنخواہ اور میچ فیس پر گزارہ کرنا ہوتا ہے اور جب اپنی توانائیاں وہ خرچ کر چکتے ہیں تو انہیں ٹیم سے نکال باہر کیا جاتا ہے۔ وہ خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔

سیزن کا پہلا میچ ایک دوسرے بینک کی ٹیم سے پشاور میں تھا۔ اس بینک کی ٹیم نے پچھلے کچھ عرصے میں خاصی نمایاں کارکردگی دکھائی تھی اور گزشتہ سال پیٹرنز ٹرافی میں رنر اپ رہی تھی۔ قومی ٹیم کا ایک فاسٹ بالر، ایک اسپنر اور ایک مڈل آرڈر بلے باز اسی ٹیم کی طرف سے کھیلتے تھے۔ دیگر کھلاڑی بھی باصلاحیت تھے۔ وہ میچ سے دو دن پہلے پشاور پہنچے۔ اطہر نے وکٹ دیکھی جس پر میچ ہو رہا تھا۔ خاصی سیدھی وکٹ تھی۔ جس پر تھوڑی بہت گھاس بھی تھی۔ پہلے دو دن یہ فاسٹ بالر کو مدد دے سکتی تھی۔ لہٰذا اس نے نئے

فاسٹ بالر کو موقع دینے کا فیصلہ کیا۔ پانچ بلے باز' ایک وکٹ کیپر' تین فاسٹ بالر جن میں ایک آل راؤنڈر تھا اور دو اسپنرز' ٹیم میں شامل تھے۔ ان میں حماد کا نام نہیں تھا۔ اطہر نے اس سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم کسی اچھی وکٹ پر اپنے کیریئر کا آغاز کرو۔ اس وکٹ میں اسپنرز کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

مگر قدرت کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا۔ ٹیم کا لیفٹ آرم اسپنر مزمل میچ سے ایک رات قبل مشہور زمانہ چپلی کباب کھانے گیا اور اس نے چپلی کباب کچھ زیادہ ہی کھا لیے۔ نتیجے میں اسے بدہضمی ہوگئی اور میچ کی صبح وہ باتھ روم میں بیٹھا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اسپنر دستیاب نہیں تھا۔ مجبوراً اطہر کو حماد کو کھلانے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اسے میچ شروع ہونے سے چند لمحے پہلے ٹیم میں شامل کیا گیا تھا۔ جب اطہر نے اسے بتایا تو وہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں۔" اس نے صرف اتنا کہا۔

"میرا شکریہ ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے کہ تم شایانِ شان طریقے سے اپنے فرسٹ کلاس کیریئر کا آغاز کرو۔"

"میں جان لڑا دوں گا سر۔" اس کے لہجے میں عزم تھا۔

ٹاس مخالف ٹیم کے کپتان نے جیتا اور فوراً انہیں بیٹنگ کی دعوت دی۔ اس کے پاس تین اچھے فاسٹ بالر تھے اور وہ اس وکٹ کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اطہر متفکر تھا۔ اسے زیادہ خطرہ ٹیسٹ فاسٹ بالر سے تھا۔ جو ان دنوں بہترین فارم میں تھا اور بینک کی طرف سے کھیل رہا تھا۔ حسب توقع اس نے بہترین بالنگ کرائی اور لنچ پر اسکور چھ کھلاڑیوں کے آؤٹ ہونے پر صرف ایک سو بارہ تھا۔ چھ میں سے چار وکٹیں ٹیسٹ فاسٹ بالر کے حصے میں آئیں تھیں۔ لنچ سے ذرا پہلے چھٹی وکٹ گرتے ہی کپتان نے حماد کو اشارہ کیا جو پہلے ہی پیڈ باندھے تیار بیٹھا تھا۔ اسے لنچ سے پہلے آخری اوور کی چار بالیں کھیلنا تھیں۔ یہ اوور ٹیسٹ فاسٹ بالر کرا رہا تھا۔ حماد نے اعتماد سے یہ اوور گزار دیا۔ لنچ کے دوران میں اطہر اسے سمجھاتا رہا۔

"بال بتیس اوورز پرانی ہو چکی ہے۔ وکٹ کی نمی بھی خشک ہو چکی ہے۔ اب بال زیادہ سوئنگ نہیں لے گی۔ تم صرف وکٹ پر کھڑے رہنے کی کوشش کرنا۔ باہر جاتی بالوں کو مت چھیڑنا اور کھیلنے کے دوران میں بلے کو جسم سے زیادہ سے زیادہ قریب رکھنا۔"

حماد بغور سب کچھ سنتا رہا۔ لنچ کے بعد وہ دوبارہ بیٹنگ کرنے چلے۔ حماد کے ساتھ ٹیم کا آل راؤنڈر فاسٹ بالر تھا اور وہ بیس پر کھیل رہا تھا۔ صبح کا پورا سیشن کیونکہ تین فاسٹ بالروں نے ہی کر دیا تھا۔ اس لیے اب ان کے انداز میں تھکاوٹ نمایاں تھی۔ جلد وہ اسپنرز لانے پر مجبور ہو گئے۔ حسب توقع بال پرانی ہونے کے بعد کم سوئنگ لے رہی تھی اور اسپنرز کے لیے وکٹ میں کچھ نہیں تھا۔ حماد سکون سے سیدھے بیٹ سے کھیلتا رہا۔ دوسری طرف آل راؤنڈر زاہد نے اسکور آگے بڑھانا جاری رکھا۔ پانی کے وقفے سے ذرا پہلے اس نے ففٹی مکمل کر لی اور ٹی ٹائم کے قریب وہ پچھتر رنز بنا کر آؤٹ ہو گیا۔ کل اسکور ایک سو نوے تھا۔ حماد بیس رنز پر کھیل رہا تھا۔ اب پیچھے ٹیل اینڈرز ہی رہ گئے تھے۔ بال پرانی ہونے کے بعد خطرہ تھا کہ فاسٹ بالر اس سے ریورس سوئنگ کرا سکیں گے۔ لہٰذا ٹی ٹائم کے بعد حماد نے بلا گھمانا شروع کر دیا۔ پہلے ہی اوور میں اس نے دو چوکے مار دیے خاص طور سے ایک کور ڈرائیو ایسا تھا کہ مخالف ٹیم نے بھی تالیاں بجا کر اسے داد دی۔

توقع کے عین مطابق بال نے ریورس سوئنگ لینا شروع کر دیا اور ٹیسٹ فاسٹ بالر نے آخری تین کھلاڑی ایک ہی اوور میں آؤٹ کر دیے۔ حماد اڑتیس پر ناٹ آؤٹ تھا اور یہ بہت اچھی دفاعی بیٹنگ کا مظاہرہ تھا۔ وہ تین گھنٹے تک ایک ایسی پچ پر کھڑا رہا تھا جو فاسٹ بالروں کی مدد کر رہی تھی۔ ڈریسنگ روم میں واپسی پر اطہر نے اسے پرزور تھپکی دی۔ دو سو بائیس اچھا نہیں تو باعزت اسکور ضرور تھا۔ اس پر فائٹ کی جا سکتی تھی۔ ٹیم کے دونوں اوپننگ بالروں نے اچھی بالنگ کرائی اور دن کے اختتام پر ان کے دو کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے۔ جبکہ اسکور صرف بارہ تھا۔ اطہر نے سکون کا سانس لیا تھا۔ آؤٹ ہونے والوں میں سے ایک بہت اچھا کھلاڑی بھی شامل تھا۔

اگلے روز مخالف بینک کے کھلاڑیوں نے دفاعی حکمتِ عملی اپنائی۔ انہوں نے اسٹروک کھیلنا بند کر دیے۔ کھانے کے وقفے تک اسکور تین وکٹوں پر صرف بیاسی رنز تھا لیکن دونوں کھلاڑی جو وکٹ پر تھے پوری طرح جم چکے تھے۔ اوپنر ففٹی کے قریب تھا اور جیسے ہی گیند کی چمک ختم ہوئی۔ انہوں نے کھل کر کھیلنا شروع کر دیا۔ ٹی ٹائم تک انہوں نے اسکور ایک سو نوے تک پہنچا دیا تھا اور صرف چار کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔ کپتان محسن مجتبیٰ نے اب تک صرف دوسرے اسپنر کو آزمایا تھا اور اس پر جس آزادی سے رنز بنائے گئے تھے اس کے بعد اسے حماد کو آزمانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیگ اسپنر تو ویسے ہی رنز دینے کے لیے بدنام ہیں۔ مگر ٹی ٹائم کے بعد تینوں فاسٹ بالر بالنگ کرا کے بے حال ہو چکے تھے۔ وکٹ کی جان بھی ختم ہو چکی تھی اور بال پرانی ہونے کے باعث نرم پڑ چکی تھی۔ مجبوراً محسن نے حماد کو اشارہ کیا۔

"لائن و لینتھ ٹائٹ رکھنا۔ ہم زیادہ رنز دینے کے متحمل

نہیں ہوسکتے۔" اس نے حماد سے کہا۔

دونوں بلے باز پوری طرح سیٹ تھے۔ خاص طور سے اوپنر جو اب سنچری کے قریب تھا۔ حماد نے بالنگ رن اپ لیا۔ نشان لگایا اور بال کرانے کے لیے تیار ہوگیا۔ جیسے ہی بلے باز جھکا۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھا اور ہاتھ گھما کر بال پھینک دی جو لیگ اسٹمپ سے باہر تھی۔ اوپنر جسے سنچری کے لیے صرف چار رنز چاہیے تھے۔ اس نے گویا موقع سے فائدہ اٹھا کر مڈ وکٹ پر چھکا لگانے کی کوشش کی۔ گڑبڑ کا احساس اسے آخری لمحے میں ہوا جب اس نے دیکھا کہ بال اپنی سلائیوں پر اس کی توقع سے کہیں زیادہ تیزی سے گھوم رہی تھی۔ لیکن دیر ہو چکی تھی۔ وکٹ پر گرتے ہی بال نے باؤنس لیا اور تیزی سے اسپن ہوئی۔ بلے سے اس کی ملاقات صرف ایک کنارے کی حد تک ہوئی اور گیند مڈ وکٹ کی طرف جانے کے بجائے سیدھی فضا میں کھڑی ہوگئی۔ وکٹ کیپر نے ذرا آگے آکر ایک آسان کیچ لیا۔ اس کے ساتھ ہی اردگرد کے کھلاڑی آکر حماد سے چمٹ گئے۔ جسے اب تک یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے اپنے فرسٹ کلاس کیریئر کی پہلی بال پر وکٹ لے لی تھی۔ اور اپنا نام ہمیشہ کے لیے ریکارڈ بک میں لکھوالیا تھا۔

مخالف ٹیم کی بدقسمتی کہ اب ان کے مستند بلے باز آؤٹ ہو چکے تھے اور صرف ٹیل اینڈرز باقی رہ گئے تھے۔ اس کے بعد حماد کی تیزی سے اسپن ہوتی بالوں نے انہیں پویلین کا راستہ دکھانا شروع کیا۔ صرف ٹیسٹ فاسٹ بالر کسی قدر مزاحمت کرسکا تھا اور پوری ٹیم دو سو بتیس کے اسکور پر آؤٹ ہوگئی۔ وہ صرف دس رنز کی برتری لے سکے تھے۔ حماد نے اپنی پہلی فرسٹ کلاس اننگ میں پانچ وکٹیں لی تھیں۔ پوری ٹیم اس کی اس کامیابی پر بے حد خوش تھی۔ خاص طور سے اطہر۔ اس نے حماد کو بازوؤں میں بھینچ کر کہا "تم نے میری عزت رکھ لی حماد۔"

ڈریسنگ روم میں صرف ایک فرد تھا جو حماد کی اس کامیابی سے خوش نہیں تھا اور اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ منیب اختر تھا۔ جسے باپ کے دباؤ پر بینک کی ٹیم میں تو لے لیا گیا تھا لیکن اطہر نے اسے میچ نہیں کھلایا تھا۔ وہ بارہواں کھلاڑی تھا۔ حماد اس کے برابر والی نشست پر بیٹھ کر جوتے اتار رہا تھا کہ منیب نے کہا۔

"اس کامیابی پر زیادہ خوش مت ہو۔ آؤٹ ہونے والے تمام کھلاڑی ٹیل اینڈرز تھے۔"

"کیا مطلب؟" حماد کا ہاتھ رک گیا۔

"مطلب یہ کہ اگلی اننگ میں جب ان کے تجربے کار بیٹسمینوں کو بالنگ کراؤ گے تب پتا چلے گا۔" منیب کا لہجہ زہریلا تھا۔

حماد حیران تھا کہ یہ لڑکا اس سے اتنی خار کیوں کھا رہا تھا "تم کیوں پریشان ہو رہے ہو؟" حماد نے اس سے پوچھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے پریشان ہونے کی؟ میں تمہیں تمہارے انجام سے خبردار کررہا تھا۔"

"اس کا شکریہ۔" حماد نے سرد لہجے میں کہا اور اٹھ کر واش روم چلا گیا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور کپڑے بدل کر واپس آیا تو ٹیم کے اوپنرز میدان میں جا چکے تھے۔ آج کے پندرہ اوورز ابھی باقی تھے۔ حماد نے ٹیم کو ایک اچھا موقع دیا تھا لیکن ٹیسٹ فاسٹ بالر نے تباہی مچادی تھی۔ اس نے یکے بعد دیگرے دونوں اوپنروں کو پویلین واپس بھیج دیا۔ اس موقع پر کپتان محسن نے حماد سے پیڈز پہننے کو کہا۔ وہ اسے نائٹ واچ مین کے طور پر بھیج رہا تھا۔ ابھی آٹھ اوورز کا کھیل باقی تھا۔ حماد جب وکٹ پر پہنچا تو ون ڈاؤن بیٹسمین شہریار تھا۔ وہ خاصی حد تک سیدھا کھیل رہا تھا۔

"میری کوشش ہوگی کہ تمہیں بالنگ سے محفوظ رکھوں۔ پانچویں یا آخری بال پر سنگل لینے کے لیے تیار رہنا۔"

مگر سنگل لینے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ٹیسٹ فاسٹ بالر نے شہریار کو اگلے اوور میں ایک خوب صورت لیگ کٹر پر بولڈ کردیا تھا۔ اسکور بورڈ پر صرف اٹھارہ رنز درج تھے اور تین صف اول کے بلے باز ڈریسنگ روم کو جا چکے تھے۔ اس موقع پر کپتان محسن مجتبیٰ خود آیا اور اس نے حماد کے ساتھ مل کر باقی اوورز کسی نہ کسی طرح گزار دیے۔ اسی روز ہوٹل واپس جاتے ہوئے سب ہی بے حد اداس تھے۔ اچھی کارکردگی کو بلے بازوں نے خراب کر کے رکھ دیا تھا۔ اگلے روز جب حماد اور محسن وکٹ پر آئے تو محسن نے اسے سمجھا دیا کہ پہلے گھنٹے تک انہیں صرف دفاع کرنا تھا۔ لہٰذا حماد نے وکٹوں کی طرف آتی ہر بال کو سیدھے بلے سے روکنا شروع کردیا اور جو بال وکٹوں سے باہر ہوتی اسے چھوڑ دیتا مگر ہوا یہ کہ محسن خود اپنی حکمتِ عملی پر عمل نہ کرسکا اور پینتالیس رنز کے اسکور پر ایک باہر جاتی بال پر سلپ میں کیچ دے کر رخصت ہوگیا۔ اس کے بعد وکٹ کیپر کھیلنے آیا تھا مگر وہ بھی زیادہ دیر وکٹ پر نہیں ٹھہرا۔ چند چوکے لگا کر وہ بھی آؤٹ ہوگیا پھر آل راؤنڈر زاہد آیا۔ وہ پچھلی اننگ میں بھی ٹاپ اسکورر رہا تھا۔

خوش قسمتی سے مخالف ٹیم کے کپتان نے فاسٹ بالر ہٹا کر اسپنرز لگا دیے اور زاہد کو سیٹ ہونے کا موقع مل گیا۔ لنچ پر اسکور ایک سو پانچ تھا۔ حماد پچیس اور زاہد بیس پر کھیل رہا تھا۔ مخالف ٹیم کے اسپنرز کوشش کے باوجود بال کو اسپن

کرانے میں ناکام رہے تھے اور ان کی بالوں پر حماد اور زاہد نے کھل کر رنز بنائے تھے۔ یہ وقفہ جس میں ان کے فاسٹ بالر ستا رہے تھے۔ خاصا اہم تھا۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ فاسٹ بالروں کے آتے ہی رنز بنانا دشوار ہوجائے گا۔ لہٰذا زاہد نے بڑھ کر ہٹیں لگانا شروع کردیں۔ دو چھکوں کے بغیر تیسرا چھکا لگانے کی کوشش میں وہ اسٹمپ ہوگیا۔ اس نے باون رنز بنائے تھے۔ اس موقع پر اسکور ایک سو چھپتر ہوگیا تھا۔ آنے والے اب تمام ہی نرے بالر تھے لہٰذا حماد نے زیادہ سے زیادہ خود بالنگ کا سامنا شروع کردیا۔ اور وہ ٹی ٹائم تک ٹیم کو مزید نقصان سے بچانے میں کامیاب رہا۔ ٹی ٹائم سے ایک اوور پہلے اس نے اپنی ففٹی مکمل کرلی تھی۔ اس وقت کل اسکور ایک سو بانوے ہوچکا تھا۔

ڈریسنگ روم میں سوائے منیب کے سب ہی نے اس کی شان دار بیٹنگ پر اسے شاباش دی تھی۔ اطہر نے مٹھائی منگوا کر سب کا منہ میٹھا کرایا تھا۔ وہ خاص طور سے بے حد خوش تھا۔ ٹی ٹائم کے بعد حسب توقع فاسٹ بالر واپس آگئے تھے۔ حماد جانتا تھا کہ اب گیند ریورس سوئنگ لے گا اور اسے بے حد محتاط رہنا پڑے گا۔ توقع کے عین مطابق ٹیسٹ بالر کی پہلی ہی بال ایک لمبی ان سوئنگر تھی۔ جو آف اسٹمپ کے خاصا باہر سے گھوم کر اندر آئی تھی۔ حماد پیروں کو حرکت دیے بغیر اس کا انتظار کررہا تھا۔ جیسے ہی بال پچ ہوئی اس نے بلا گھمادیا اور گیند مڈ آن کے اوپر چوکے کے لیے نکل گئی۔ بالر نے حیرانی سے اس کم عمر لڑکے کو دیکھا۔ اس کی جس بال کو بڑے بڑے بین الاقوامی بلے باز نہیں کھیل پاتے تھے اس نے کتنی آسانی سے اسے باؤنڈری کے باہر کردیا تھا۔

”ویل ڈن ینگ مین۔“ اس نے قریب جاکر حماد سے کہا۔

”شکریہ۔“ وہ مسکرایا۔ باقی اوور اس نے احتیاط سے کھیلا کیونکہ فاسٹ بالر اب ریورس سوئنگ کرانے کے بجائے بال اس سے دور رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ خاص طور سے آخری بال اس نے وائیڈ ہی کرادی تھی۔ مگر حماد نے آگے بڑھتے ہوئے اسے کور میں کھیل کر ایک رن لے لیا تھا۔ وہ وکٹ کے سیدھے پن سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا۔ گیند پرانی ہونے کے باعث باقی دو میڈیم پیسر بھی اس سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہے تھے۔ خطرہ صرف ٹیسٹ فاسٹ بالر سے تھا جو گیند کو مہارت سے ریورس سوئنگ کرا رہا تھا۔ اسے موقع ملا اور اس نے اوور کی آخری بال پر حماد کے ساتھی بشیر کو بولڈ کردیا۔ اب آٹھ کھلاڑی آؤٹ ہوچکے تھے اور ان کی برتری صرف دو سو نو رنز کی تھی۔ حماد نے فیصلہ کیا کہ اب اسے تیز کھیلنا چاہیے۔ اس کا اسکور باسٹھ تھا۔ اس نے لیگ اسپنر کے اوور میں ایک چھکا اور ایک چوکا رسید کیا لیکن آخری بال پر رن نہ لے سکا اور اگلے ہی اوور میں ٹیسٹ فاسٹ بالر نے بقیہ دو بیٹسمینوں کو آؤٹ کردیا۔ کل اسکور دو سو انتیس تھا اور رنز کی برتری صرف دو سو انیس رنز کی تھی۔ حماد بہتر رنز پر ناٹ آؤٹ رہا تھا۔

وکٹ جس طرح سست ہوتی جارہی تھی۔ اس کے پیش نظر یہ زیادہ اسکور نہیں تھا لیکن اس پر جیتنے کے لیے جدوجہد کی جاسکتی تھی۔ اس روز کے اختتام تک فاسٹ بالر لگے رہے اور مخالف ٹیم نے بغیر کسی نقصان کے سینتیس رنز بنالیے۔ اب انہیں ایک پورے دن کے کھیل میں صرف ایک سو تراسی رنز چاہیے تھے اور ان کی تمام وکٹیں باقی تھیں۔ یہ دن کا ایک مایوس کن اختتام تھا۔ حماد نے محسوس کیا کہ اطہر بلے بازوں کی کارکردگی پر خوش نہیں تھا۔ جو اپنی وکٹیں تحفے میں دے آئے تھے۔ ڈریسنگ روم کی کشیدہ فضا بتا رہی تھی کہ وہاں کوئی بدمزگی ہوچکی تھی۔ دوسرے حماد نے محسوس کیا کہ منیب اس کے ساتھ ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ سامان لے کر اسٹیڈیم کے باہر موجود وین تک پہنچے جو انہیں ہوٹل تک لانے اور لے جانے پر مامور تھی۔ یہ دراصل مائیکرو بس تھی۔ نہایت جدید ائرکنڈیشنڈ اور اس کے تمام فنکشن خودکار تھے۔ سب سے پہلے منیب اندر گیا اور ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ کر اس سے کچھ بات کرنے لگا پھر اس نے عجیب حرکت کی۔ جیسے ہی حماد نے اندر آنے کے لیے سائڈ پر ہاتھ رکھا۔ منیب نے بظاہر بے خیالی میں دروازہ بند کرنے والا لیور کھینچ لیا۔ جیٹ ویکیوم نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کردیا اور حماد کا بایاں ہاتھ اس میں آگیا۔ درد کے مارے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔

”اوہ خانہ خراب۔ یہ کیا کیا۔“ ڈرائیور نے پھرتی سے لیور کو واپس کیا۔ وہ خوں خوار نظروں سے منیب کو گھور رہا تھا۔

”مجھ سے غلطی سے ہوگیا۔“ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

سب حماد کی طرف لپکے۔ اس کے بائیں ہاتھ سے خون ٹپک رہا تھا۔ دو جگہ سے کھال پھٹ گئی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ دروازے پر نرم ربر کے پیڈ چڑھے ہوئے تھے۔ ورنہ اس کی ہاتھ کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔

”کسی قریبی کلینک چلو۔“ اطہر نے چیخ کر ڈرائیور سے کہا اور اس نے بقیہ لوگوں کا انتظار کیے بغیر بس دوڑادی۔ اطہر خوں خوار نظروں سے منیب کو دیکھ رہا تھا۔ جو ڈھٹائی سے سر

جھکائے بیٹھا تھا اور اس کے چہرے پر ندامت کے کوئی تاثرات نہیں تھے۔ ڈرائیور بس کو ایک نزدیکی کلینک تک لے گیا۔ جہاں ڈاکٹر نے فوری طور پر حماد کے ہاتھ پر آٹھ ٹانکے لگائے۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ کا ایکسرے ہوا لیکن ہڈیاں صحیح سلامت تھیں۔ صرف کھال دو جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے ایک ہفتے تک مکمل آرام کے لیے کہا۔ جب ہوٹل پہنچ کر یہ خبر دوسرے کھلاڑیوں کو سنائی گئی تو ان کے چہرے لٹک گئے تھے۔ کل کے دن ان کی واحد امید حماد ہی تھا۔ جس نے پچھلی اننگ میں بھی اچھی بالنگ کرائی تھی۔ سب نے ہی حسب توفیق منیب کے لتے لیے تھے۔ وہ خاموشی سے سب کی سنتا رہا۔ اطہر نے شہریار سے کہا۔

"مجھے یقین ہے۔ اس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔ وہ حماد سے جلتا ہے۔"

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" شہریار بولا "اس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے یا اس سے غلطی ہوئی۔ ہمیں جو نقصان ہونا تھا۔ وہ تو ہو چکا۔ کل جو تھوڑی بہت امید تھی اسے بھی ختم سمجھیں۔"

خود حماد بھی یہ سن کر کہ وہ کل نہیں کھیل سکے گا۔ پریشان ہو گیا تھا کیونکہ تین دن کے کھیل کے بعد وکٹ تھوڑی بہت خراب ہوئی تھی اور یقیناً اب وہ پہلے دن کے مقابلے میں زیادہ اسپن لیتی۔ اسے یقین تھا کہ وہ بلے بازوں کو پریشان ضرور کرے گا مگر اس کا زخمی ہاتھ۔" اس نے اپنے پٹی میں لپٹے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ اسے پہلی بار اس منیب نامی لڑکے پر غصہ آیا۔ اس کا دل چاہا کہ اپنے صحیح ہاتھ سے اس کا گلا اس وقت تک دباتا رہے جب تک اس کی زبان باہر نہیں نکل آتی۔ کتنی مسکین سی شکل بنا کر اس سے معذرت کر رہا تھا۔ اس رات اسے خاصی دیر تک نیند نہیں آئی۔ صبح اطہر اس کے کمرے میں آیا تھا۔

"میرا خیال ہے تم ہوٹل میں ہی آرام کرو۔"

پہلے حماد نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن بوریت کے خیال سے اس نے کہا "نہیں میں اسٹیڈیم چلوں گا۔"

میچ سے پہلے جا کر ان لوگوں نے نیٹ پریکٹس کی۔ حماد ایک طرف بیٹھا انہیں دیکھتا رہا۔ جب ٹیم فیلڈنگ کے لیے گئی تو حماد کی جگہ منیب فیلڈنگ کر رہا تھا۔ جس نے اسے زخمی کیا تھا۔ توقع کے عین مطابق ان کے بالر کسی قابل ذکر کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکے تھے۔ لنچ تک ان سے صرف ایک کھلاڑی آؤٹ ہوا تھا اور مخالف ٹیم نے ایک سو بیس رنز بنا لیے تھے۔ اب فتح کے لیے انہیں صرف سو رنز درکار تھے۔ لنچ سے پہلے حماد جا کر ہاتھ کی نئی پٹی کرا آیا تھا۔ دواؤں کے مسلسل استعمال سے ہاتھ کی تکلیف خاصی حد تک کم ہو گئی تھی۔ لنچ کے دوران میں ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ وہ اس پر غور کرتا رہا۔ بالآخر اس نے اطہر سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اطہر پویلین میں ایک طرف بیٹھا بے بسی سے اپنی ٹیم کو شکست کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا۔

"سر، میں کھیلنا چاہتا ہوں۔" اس نے جاتے ہی اطہر سے کہا۔ جو اخبار پڑھ رہا تھا۔

"تمہارا دماغ تو صحیح ہے۔ تم اس حالت میں کھیلو گے۔ جبکہ تمہارے ہاتھ میں آٹھ ٹانکے لگے ہیں۔" وہ برہمی سے بولا۔

"بائیں ہاتھ میں۔ میں بالنگ سیدھے ہاتھ سے کراتا ہوں۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک ہاتھ سے تم صرف بالنگ کرا سکتے ہو۔ فیلڈنگ تو نہیں کر سکتے اور نہ ہی کیچ لے سکتے ہو۔ مجھے شبہ ہے کہ تکلیف کی وجہ سے تم سے صحیح طریقے سے بالنگ بھی نہیں ہو گی۔"

"ممکن ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن سر مجھے ایک کوشش تو کر لینے دیں۔ ممکن ہے میں کامیاب رہوں۔ سر پلیز، انکار مت کیجیے گا۔"

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ اطہر نہ چاہتے ہوئے بھی سر ہلانے پر مجبور ہو گیا۔ ٹھیک ہے میرا خیال ہے۔ ایک دو اوورز ٹرائی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر تم نے تکلیف محسوس کی تو تم فوراً واپس آ جاؤ گے۔"

"تھینک یو سر۔" حماد نے اچھل کر کہا۔ اسے اجازت ملنے کی امید نہیں تھی۔ ایک ساتھی کی مدد سے اس نے جوتے پہنے اور میدان کے باہر پہنچ گیا۔ محسن مجتبیٰ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا جب اس نے حماد کو باؤنڈری پر کھڑے میدان میں آنے کو تیار دیکھا۔ وہ منیب کو باہر آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ منیب اسے حیرت اور غصے سے دیکھتا باہر آ گیا۔ اس کے اندر جاتے ہی محسن نے اس سے کہا "یہ کیا حماقت ہے تم میدان میں کیوں آئے ہو؟"

"بالنگ کرانے۔" حماد بولا۔

محسن ویسے ہی خاصا غصہ ور شخص تھا اور حماد کی بات پر اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں تھیں۔ اس کے خیال میں وہ اس سے مذاق کر رہا تھا "تمہارا دماغ ٹھکانے پر ہے۔ تم زخمی ہاتھ کے ساتھ بالنگ کراؤ گے۔"

بمشکل حماد اسے سمجھا سکا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا بلکہ

سنجیدہ ہے اور کوچ سے اجازت لے کر آیا ہے "میں کچھ اوورز کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ میری بالنگ سے مطمئن نہ ہوئے تو واپس چلا جاؤں گا۔"

محسن دیکھ چکا تھا کہ اس کے تمام ہی بالر بے اثر ثابت ہوئے تھے اور مخالف ٹیم ثابت قدمی سے فتح کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ بادل ناخواستہ اس نے اگلے اوور میں لیفٹ آرم اسپنر کو ہٹا کر حماد کو اس کی جگہ بال دی۔ اس نے احتیاطاً بائیں ہاتھ پر پٹی کے اوپر کپڑا لپیٹ لیا تھا۔ اوور کرانے سے پہلے اس نے چند بالیں ایسے ہی کرا کے ہاتھ کھولے۔ اس نے محسوس کیا کہ بلے باز اسے دیکھ کر کسی قدر پریشان ہو گئے تھے۔ اس نے پچھلی اننگ میں جیسی بالنگ کرائی تھی۔ اس کے بعد وہ ان کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔ حماد نے بالنگ کے لیے اسٹارٹ لیا اور اس کی پہلی ہی بال خطرناک انداز میں اسپن ہوئی یہ لیگ بریک تھی جو ٹھیک مڈل اسٹمپ پر گر کر باہر کی طرف گھومی تھی۔ بلے باز بال بال بچا تھا۔ اگلی گیند ایک تیز فلیپر تھا جس پر بلے باز بمشکل اپنی وکٹیں بچا پایا تھا۔ ان دو گیندوں سے اسے بدحواس کر دیا تھا۔ تیسری بال کو اس نے احمقانہ انداز میں پیڈ کر دیا۔ یہ ٹاپ اسپن تھا اور وکٹوں میں ہی تھا۔ امپائر کو اسے ایل بی ڈبلیو قرار دینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس کے ساتھ ہی میدان میں جیسے زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"اوئے، کمال کر دیا۔" لاہور کے اصغر نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی "ہم صبح سے روں روں کر رہے تھے۔ تو نے آتے ہی رولا پا دیا۔"

حماد نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ اس کا زخمی ہاتھ اس کی بالنگ میں حارج نہیں ہوا تھا۔ البتہ بالنگ کے دوران میں جب جھٹکا لگتا تھا تو ٹیس سی اٹھا کرتی تھی۔ جسے وہ برداشت کر جایا کرتا تھا۔ دوسرے کھلاڑی کے آوٹ ہونے سے ٹیم میں جان آ گئی تھی اور کپتان نے حماد کی بالنگ پر نہایت جارحانہ فیلڈ کھڑی کر دی تھی۔ سلی پوائنٹ، فارورڈ شارٹ لیگ، دو سلپ اور شارٹ فائن لیگ۔ بلے باز بھی بے حد محتاط ہو گئے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ حماد کا اوور کسی نہ کسی طرح کھیل جائیں دوسری طرف محسن نے دوسرے بالر کے لیے دفاعی فیلڈ لے لی تھی۔ تاکہ اس پر رنز نہ بنیں مگر اس وکٹ پر رنز روکنا بہت مشکل تھا۔ ایک سو بیس پر نیا آنے والا بیٹسمین حماد کی گگلی نہ سمجھ سکا اور بولڈ ہو گیا۔ اس کے بعد آنے والا بلے باز بھی جلد حماد کا شکار ہو گیا۔ اب اسکور ایک سو چالیس پر چار کھلاڑی آوٹ تھا۔ مخالف ٹیم کو اسی رنز اور انہیں چھ وکٹیں درکار تھیں۔ مقابلہ دلچسپ ہو گیا تھا۔ آنے والے محدود تماشائی پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔

حماد کے اوور کے بعد محسن اسے ڈیپ فائن لیگ پر بھیج دیا کرتا تھا اور اس نے بالر کو کہہ دیا تھا کہ لیگ سائیڈ پر بال نہیں کرائے۔ تاکہ حماد کو فیلڈنگ نہ کرنی پڑے۔ اس کے باوجود گیند کئی بار اس کے پاس آئی اور وہ جب بھی تھرو کرتا۔ ہاتھ میں درد کی لہر سی اٹھتی تھی۔ اس کے اگلے کئی اوور میڈن گئے تھے لیکن کوئی وکٹ بھی نہیں گری تھی اور دوسری طرف بلے باز مستقل مزاجی سے بتدریج اسکور آگے بڑھا رہے تھے۔ بالآخر ٹی ٹائم سے ذرا پہلے ایک بلے باز صبر کھو بیٹھا۔ اس نے حماد کے پیروں سے بننے والے نشان پر پڑنے والی گیند کو سوئپ کرنے کی کوشش کی اور گیند بلے کا کنارہ لے کر سیدھی شارٹ فائن لیگ کے پاس گئی۔ اس کے ساتھ ہی چائے کا وقفہ کر دیا گیا۔ اس سیشن میں چار وکٹیں گریں تھیں جو سب کی سب حماد کے حصے میں آئی تھیں۔ اب مخالف ٹیم کو جیتنے کے لیے باسٹھ رنز چاہیے تھے۔

حماد کے ہاتھ میں اٹھتی ٹیسیں اب مستقل درد کی حیثیت اختیار کر گئی تھیں۔ مگر اس نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ البتہ اپنے پاس موجود ڈاکٹر کی دی ہوئی کئی پین کلرز کھالیں تھیں۔ ٹی ٹائم کے فوراً بعد اس نے مخالف ٹیم کے وکٹ کیپر کو آوٹ کر دیا۔ اگلا بلے باز جارحانہ انداز میں کھیلنے والا آل راونڈر تھا۔ اس نے آتے ہی حماد کے خلاف جارحانہ انداز اپنایا اور اس کی پہلی بال کو لانگ آن پر چھ کے لیے کھیل دیا۔ یہ اس اننگ میں پہلی باونڈری تھی جو حماد کو پڑی تھی۔ اس اوور کی آخری بال پر اس نے ایک بار پھر ڈرائیو کیا۔ یہ قوت والا اسٹریٹ ڈرائیو تھا۔ حماد نے اضطراری طور پر گیند پکڑنے کی کوشش کی اور گیند سیدھی اس کے زخمی ہاتھ سے آ ٹکرائی۔ ایک قیامت تھی جو اس کے ہاتھ پر گزر گئی۔ وہ درد کے مارے وہیں دہرا ہو گیا تھا۔ تمام کھلاڑی اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ کپتان محسن نے اس کا ہاتھ دیکھا اور اوپر والا کپڑا اتارنے لگا۔ نیچے کی پٹی سرخ ہو رہی تھی۔ یعنی خون رسنے لگا تھا۔

"مائی گاڈ۔ تمہیں یہ حماقت کرنے کو کس نے کہا تھا۔" محسن برہمی سے بولا "فوراً ڈریسنگ روم کی طرف جاؤ۔"

اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ حماد ہاتھ دبائے پویلین میں آ گیا۔ جہاں اطہر نے اس کی پٹی کھول کر دیکھی۔ شکر ہے کہ ٹانکے نہیں ٹوٹے تھے۔ البتہ زخموں سے خون

رسنے لگا تھا۔ اطہر نے خون صاف کر کے زخموں پر پاؤڈر چھڑکا اور نئی پٹی کر کے اوپر سے میڈیکو ٹیپ لگا دیا۔ دوسری طرف حماد کے چلے جانے سے مخالف ٹیم کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور آل راؤنڈر نے بڑھ کر ہٹس لگانی شروع کر دیں تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسکور ایک سو بیاسی تک جا پہنچا اور اب انہیں فتح کے لیے صرف پینتیس رنز چاہییے تھے۔ اس موقع پر آل راؤنڈر ایک غلط رن لینے کی کوشش میں رن آؤٹ ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی بلے باز دوبارہ دفاع پر اتر آئے اور بالرز انہیں آؤٹ کرنے کی کوشش کرنے لگے مگر صاف لگ رہا تھا ان کی کوششیں زیادہ کامیاب نہیں تھیں۔ وکٹ پر ایک مستند بلے باز کے علاوہ دوسرا بلے باز بالر تھا لیکن اس میں اتنی صلاحیت ضرور تھی کہ وکٹ پر کھڑا رہے۔ حماد بے بسی سے پویلین سے اسکور کو رفتہ رفتہ آگے بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگتا تھا۔ اطہر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آخر حماد سے رہا نہ گیا۔

"سر میں گراؤنڈ پر جا رہا ہوں۔"

"تمہارا ہاتھ زخمی ہے۔ خون دوبارہ جاری ہو گیا ہے۔ ایسے میں تم بالنگ کیسے کراؤ گے۔ خدانخواستہ زخم بگڑ گیا تو لمبے عرصے کے لیے ٹیم سے باہر ہو جاؤ گے۔ اور ایک دفعہ کھلاڑی باہر ہو جائے تو اس کے لیے واپس آنا مشکل ہو جاتا ہے۔" اطہر نے اسے سمجھایا۔

"لیکن اس وقت ٹیم کو میری ضرورت ہے۔" حماد بے قراری سے بولا۔

"درست۔ لیکن یہ تمہارے لیے خطرناک ہوگا۔"

"میں رسک لینے کو تیار ہوں۔" حماد کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

"ہٹ کے ضد سے باز آجاؤ۔" اطہر ایک بار پھر اس کے سامنے بے بس ہونے لگا تھا مگر حماد نے آخر اسے مجبور کر دیا۔ وہ ایک بار پھر گراؤنڈ پر آیا تو تماشائیوں نے تالیاں بجا کر اس کے عزم و حوصلے کی داد دی۔ محسن نے بھی بحث کرنے کے بجائے خاموشی سے اسے بال تھما دی تھی۔ اسکور دو سو ہو چکا تھا اور مخالف ٹیم کو جیت کے لیے صرف بیس رنز درکار تھے۔ یہ آخری داؤ والی بات تھی۔ حماد کا ایکشن بے حد سادہ تھا۔ لیکن پہلی بال کراتے ہوئے بائیں ہاتھ میں حرکت سے جو درد اٹھا اسے وہ نہ جانے کیسے برداشت کر گیا۔ چونکا وہ اس وقت جب کھلاڑی آکر اسے چمٹ گئے۔ یہ وہی جادوئی گیند تھی جو لیگ اسٹمپ کے باہر گر کر آف اسٹمپ کی طرف جاتی تھی۔ مستند بلے باز اس پر سلپ میں کیچ دے بیٹھا تھا اور اب بے یقینی سے اس جگہ کو گھور رہا تھا۔ جہاں بال پچ ہوئی تھی۔

حماد کے چہرے پر پسینے کے قطرے دیکھ کر کپتان محسن کو اس کی حالت کا احساس ہوا "میرا خیال ہے تمہیں زیادہ ہی درد ہو رہا ہے۔"

اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی "نہیں اتنا تو نہیں ہو رہا۔"

یہ صرف تسلی تھی۔ ورنہ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ مزید بالنگ کرا سکے گا یا نہیں۔ ایک بار اس نے سوچا کہ واپس پویلین چلا جائے۔

لیکن اسی اثنا میں نیا بلے باز کریز تک آچکا تھا "شاید دو گیندیں اور۔" اسے دیکھ کر حماد نے سوچا۔ تمام فیلڈر اپنی پوزیشنوں پر جا چکے تھے۔ اس نے اسٹارٹ لیا مگر بال کراتے وقت ایک بار پھر قیامت خیز درد اٹھا اور بال اس کے ہاتھ سے نکل کر تقریباً وکٹ سے باہر گری۔ اگر وکٹ کیپر لمبی ڈائیو لگا کر گیند نہ روکتا تو مفت کے چار رنز مخالف ٹیم کو مل جاتے مگر اگلی گیند جو پرفیکٹ لیگ بریک تھی۔ بلے باز کے ساتھ وکٹ کیپر کو بھی دھوکا دے گئی اور بائی کے چار رنز بن گئے۔ اب انہیں فتح کے لیے سولہ رنز درکار تھے۔ بقیہ تین گیندیں بلے باز نے کسی نہ کسی طرح گزار دیں۔ اس کے بعد وہ دوسرے بلے باز تک پہنچا اور دونوں آپس میں حکمت عملی طے کرنے لگے۔ اسی حکمت عملی کا نتیجہ اس اوور میں نکل آیا۔ جب فاسٹ بالر امجد کو لگاتار دو چوکے پڑے۔ مجموعی طور پر اس اوور میں دس رنز بنے اور اب فتح صرف چھ رنز کے فاصلے پر تھی۔

حماد کو اندازہ تھا کہ بلے باز اسے ہر صورت دفاعی انداز میں کھیلیں گے اور اسی وکٹ پر جب تک بلے باز غلطی نہ کرے اسے آؤٹ کرنا مشکل تھا۔ حماد نے پہلے دو لگاتار شارٹ پچ لیگ بریک کرائیں۔ حسب توقع بلے بازوں نے ان پر کٹ کرنے سے گریز کیا۔ تیسری بال فلیپر تھی جسے بلے باز نے پہلے کی طرح چھوڑ دیا اور وہ ایل بی ڈبلیو ہو گیا۔ یہ اس اننگ میں حماد کی آٹھویں وکٹ تھی۔ میچ سنسنی کی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ ایک وکٹ، چھ رنز۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ حماد کے اوور کی تین بالیں باقی تھیں۔ ٹیم کے کھلاڑی پر امید نظر آنے لگے تھے کہ وہ آخری وکٹ حاصل کر لیں گے۔ دوسری طرف وہ بلے باز خطرہ بن کر موجود تھا۔ جس نے پچھلے اوور میں دو چوکے مارے تھے۔ اگر آنے والا بلے باز کسی طرح تین بالیں کھیل جاتا تو وہ یہ چھ رنز بنا سکتا تھا۔

محسن نے حماد سے کہا "نئے آنے والے کو ہر صورت

کھلاتا کوئی ایسی بال مت کرنا جسے وہ چھوڑ دے۔"

خود حماد کے ذہن میں بھی یہی تھا۔ نئے کھلاڑی نے امپائر سے گارڈ لیا اور اسے کھیلنے کو تیار ہوا۔ حماد نے فیلڈ کا جائزہ لیا۔ چار کھلاڑی بلے باز کو گھیرے ہوئے تھے اور باقی باؤنڈری روکنے کے لیے پھیلائے ہوئے تھے۔ حماد نے پہلی بال ایک تیز فلیپر پھینکی۔ اگر بلا بال سے ہلکا سا بھی ٹکرا جاتا تو یہ صاف ایل بی ڈبلیو تھا۔ ایک بال ضائع ہو چکی تھی۔ اگلی بال فلائٹ لیے ہوئے لیگ بریک تھی۔ کھلاڑی نے بلا سیدھا کر لیا اور بال بلے اور وکٹ دونوں کے پاس سے گزری۔ بعض کھلاڑیوں کے منہ سے اضطراری آوازیں نکل گئی تھیں۔ اب صرف ایک بال باقی تھی۔ حماد اپنے اندر لرزش سی محسوس کر رہا تھا۔ ایک بال اور ایک وکٹ محسن نے ایک اور فیلڈر بلے باز کے قریب کر دیا تھا۔

حماد نے اسٹارٹ لیا۔ وہ اپنی مخصوص لیگ بریک کرانا چاہتا تھا لیکن جیسے ہی اس نے ہاتھ گھمایا۔ بائیں ہاتھ میں درد کی لہر اٹھی اور بال اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں تیرتی بلے باز کی طرف بڑھی۔ فلائٹ بہت زیادہ تھی۔ غالباً بلے باز کو بھی ایسی گیند کی توقع نہیں تھی۔ اس نے اضطراری طور پر بلا لیگ سائڈ پر گھما دیا۔ مگر بال سیدھی اس کے جوتے کی نوک سے ٹکرائی جو وکٹوں کے بالکل سامنے تھی۔ اس پر تھرڈ مین پر کھڑے فیلڈر تک نے اپیل کی تھی اور امپائر نے فوراً انگلی کھڑی کر دی تھی۔ اگلے ہی لمحے تمام کھلاڑی حماد کے زخمی ہاتھ کی پروا کیے بغیر اس سے لپٹ رہے تھے اور حماد خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ جس نے اس کی غلطی کو بھی کامیابی میں بدل دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بال جوتے سے ایک انچ پہلے بھی وکٹ پر گرتی تو وہ اتنا گھومتی کہ وکٹ کیپر بھی اسے نہیں پکڑ سکتا تھا۔

○☆○

حماد بستر پر لیٹا سوچ رہا تھا کہ انسان کے حالات اتنی تیزی سے بھی بدلتے ہیں۔ دو مہینے پہلے وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ گلیوں میں جوتے گھسا کرتا تھا اور سو سو روپے کے عوض کلب ٹیموں کی طرف سے میچ کھیلتا تھا۔ آج وہ بینک میں منیجر کی پوسٹ رکھتا تھا لیکن اس کا معاوضہ ایک منیجر سے زیادہ تھا۔ بینک کی طرف سے اسے موٹر سائیکل ملی تھی اور جلد ہی کار دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ فرسٹ کلاس کیریئر دھماکا خیز انداز سے شروع کر کے اس نے پورے ملک کو چونکا دیا تھا۔ نہ صرف ملکی بلکہ بیرون ملک کے کرکٹ ماہرین اسے آنے والا سپر اسٹار قرار دے رہے تھے۔ بینک نے اس کے اعزاز میں تقریب کی تھی۔ اسے گولڈ میڈل اور ایک لاکھ روپے کا کیش انعام ملا تھا۔ نجی ادارے بھی بڑھ چڑھ کر اس کے لیے انعامات کا اعلان کر رہے تھے۔ مگر حماد نے ان اداروں سے کچھ لینے سے انکار کر دیا جو اشتہارات کے ذریعے انعامات کا اعلان کر رہے تھے۔ یہ اسے اپنی عزت نفس کے خلاف لگا تھا۔ وہ خود کو ایسا جیتنے والا گھوڑا محسوس کر رہا تھا۔ جس پر سب ہی رقم لگانے پر تلے ہوئے تھے۔ اسے ان لوگوں سے نفرت ہونے لگی تھی کہ جو کرکٹر کو جانور سمجھ رہے تھے۔

پھر اس کے لب مسکرانے لگے اس کے تصور میں ایک چاند چہرہ اور ستارہ آنکھیں آگئیں۔ لیلیٰ۔۔۔ وہ تصوراتی لیلیٰ سے کہیں زیادہ خوب صورت تھی۔ حماد نے لیلیٰ کو نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کا تصور کیا تھا لیکن اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ لیلیٰ اطہر وقار کے سامنے کچھ نہیں تھی۔ وہ لیلیٰ صرف مجنوں کی آنکھ سے خوب صورت نظر آتی تھی تو اس لیلیٰ کا حسن ایک زمانہ دیکھتا تھا اور سراہتا تھا لیکن ہر لیلیٰ کا مجنوں ایک ہی ہوتا ہے چاہے وہ خوب صورت ہو یا کم صورت۔

پہلی ملاقات میں حماد نے سرسری سی نظر سے لیلیٰ کو دیکھا تھا۔ وہ شاید اگلے ہی روز اسے بھول جاتا مگر لیلیٰ اسے نہیں بھولی تھی۔ جلد اسے معلوم ہو گیا کہ وہ صرف اس کی وجہ سے اس مقام تک آیا تھا۔ اگر وہ اپنے باپ کو مجبور نہ کرتی تو وہ گمنام ہی رہ جاتا اور پھر کون جانتا ہے کہ اسے موقع ملتا بھی یا نہیں۔

پشاور سے واپسی پر اطہر وقار نے اپنے گھر پر پوری ٹیم کی دعوت کی۔ کھلاڑیوں کے گھر والوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ البتہ کنوارے اکیلے ہی آئے تھے ان میں حماد بھی شامل تھا۔ دعوت اطہر کی کوٹھی کے وسیع لان پر ہو رہی تھی۔ حماد وہاں پہنچا تو سب ہی آچکے تھے۔ میزوں پر لوگ بیٹھے تھے۔ کھنکتے گلاسوں کے ساتھ ہلکے قہقہے بھی گونج رہے تھے۔ اس سے پہلے حماد کو اس قسم کی کسی تقریب میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لیے وہ تھوڑا سا نروس ہو رہا تھا۔ ابھی وہ لان کے سرے پر کھڑا تھا کہ لیلیٰ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ کسی خاتون سے بات کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکی۔

"مہمان خصوصی اتنی دیر کر دی۔" اس نے شکوہ کناں انداز میں کہا۔

"دراصل کوٹھی تلاش کرنے میں دیر ہو گئی۔" حماد نے وضاحت کی۔

"ڈونٹ وری آؤ۔ سب مہمان آچکے ہیں اور تمہارا انتظار تھا۔" وہ بے تکلفی سے بولی۔ حماد اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ وہ جس جگہ رہتا تھا۔ وہاں کی کئی لڑکیاں اسے

برسوں سے جانتی تھیں۔ اس کے گھر آنا جانا تھا لیکن کسی نے اس سے ایسی بے تکلفی نہیں دکھائی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ لیلیٰ نے نیلے رنگ کا میکسی نما لباس پہن رکھا تھا اور اس کے حسن کی نازک اندامی نمایاں تھی۔ حماد کو اپنے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہوئی۔ اس نے خود کو سمجھایا کہ لیلیٰ اس کے باس اور محسن کی بیٹی ہے۔ وہ اسے اپنی میز تک لے گئی جہاں اطہر، شائلہ اور شفقت علی بیٹھے تھے۔ اطہر والہانہ انداز میں اس سے ملا۔

"ہیلو ینگ بوائے کیسے ہو۔ ان سے ملو مسز اطہر وقار اور میرے فادر ان لا شفقت علی۔"

حماد نے انہیں سلام کیا۔ شائلہ نے جواب دیا جبکہ شفقت علی نے صرف سرہلانے پر اکتفا کیا۔

"آؤ میں تمہیں اپنی سہیلیوں سے ملواؤں۔" لیلیٰ نے نانا کی سرد مہری بھانپ لی تھی۔

حماد نے اطہر کی طرف دیکھا۔ اس نے سرہلا کر کہا "جاؤ یار، گھومو پھرو۔ ہم بڈھوں کی محفل میں تمہیں بور ہی ہونا پڑے گا۔"

باپ کی اجازت ملتے ہی لیلیٰ اسے کھینچ کر اس گوشے کی طرف لے گئی۔ جہاں کئی نوجوان لڑکیاں موجود تھیں۔

"لیڈیز اینڈ لیڈیز ان سے ملیے یہ ہیں حماد احمد، کرکٹ کے آنے والے اسٹار!"

"ناٹ لیڈیز جسٹ گرلز۔" ایک طویل قامت اور شوخ سی لڑکی نے کہا "اور تمہیں کیسے علم ہوا کہ یہ آنے والے اسٹار ہیں۔"

"سائرہ تم کس دنیا میں رہتی ہو۔" لیلیٰ نے آنکھیں پھیلائیں "ان دنوں پورا ملک حماد کو جان گیا ہے اور تم ابھی تک سو رہی ہو۔ نائی گرل۔"

"تمہیں معلوم ہے مجھے نیند بہت آتی ہے۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"ویسے یہ لگتے بھی ہیں کرکٹر۔ کتنے ہینڈسم ہیں۔" ایک دوسری لڑکی بے تکلفی سے بولی تو حماد کو پسینہ آنے لگا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ غلط جگہ آکر پھنس گیا تھا۔ وہ بول بھی نہیں پاتا اور یہ لڑکیاں اس کا حشر کر دیتیں۔ اس نے کہا۔

"مس لیلیٰ تعارف تو ہو گیا اب اجازت ہو تو میں اپنے ساتھیوں سے مل آؤں۔ ان میں سے کئی مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے ہیں اور میں جلد ان کے پاس نہیں گیا تو وہ خود یہاں آجائیں گے۔"

کئی لڑکیوں کے سر سے یہ لفظ "کینہ توز" گزر گیا لیکن انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ لڑکا اتنا بھی تر نوالہ نہیں تھا اور اس کے منہ میں زبان تھی۔ ان سے جان چھڑا کر وہ اس میز کی طرف لپکا جہاں ٹیم کے نوجوان کھلاڑی بیٹھے تھے اور ان میں سے کئی سے حماد کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ حسب توقع اس کا استقبال کٹیلے جملوں سے ہوا تھا۔

"آج تو راجا اِندر بنے ہوئے تھے۔" راحیل بولا "وہ نیا وکٹ کیپر تھا۔"

"لڑکیوں نے بھی انہیں دیکھ لیا ہے۔" یہ ٹیم کا مڈل آرڈر بلے باز تھا۔

"ظاہر ہے اب ہم انہیں کہاں یاد رہیں گے۔" ایک اور نے ٹکڑا لگایا۔

"بکو مت۔ دیکھا نہیں ان سے جان چھڑا کر آیا ہوں۔"

"اوپر سے بن رہے ہو۔" منیب نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اندر سے تو پھلجڑیاں پھوٹ رہی ہوں گی۔"

حماد نے ناگواری سے اسے دیکھا مگر کوئی جواب نہیں دیا۔ پشاور کے میچ میں ہی واضح ہو گیا تھا کہ وہ اس سے خار کھاتا تھا۔ بعد میں اس پر اس کی خار کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی۔ حماد کا ہاتھ ٹھیک ہونے میں دو ہفتے لگے تھے اور اس دوران میں اس کا ایک اہم میچ نکل گیا تھا۔ جو شپنگ کمپنی کی ٹیم سے تھا اور یہ میچ بینک بمشکل ڈرا کرا سکا تھا۔ البتہ اس کے بعد کے دو میچ حماد نے کھیلے تھے اور ٹیم کی فتح میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ چار میچوں کے بعد ٹرافی کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا تھا۔ دوسرا مرحلہ ایک مہینے بعد شروع ہونا تھا۔ منیب کو صرف اس میچ میں موقع ملا تھا جس میں حماد نہیں کھیلا تھا اور اس نے نسبتاً اچھی کارکردگی دکھائی تھی۔ میچ میں سات وکٹیں لینے کے علاوہ مشکل موقع پر ایک ففٹی بھی بنائی تھی لیکن حماد کا ہاتھ ٹھیک ہوتے ہی اسے ٹیم سے باہر کر دیا گیا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ٹیم میں اسپنر کی جگہ ایک ہی تھی۔ دوسرا لیفٹ آرم اسپنر بے حد تجربے کار تھا اور گزشتہ دس سال سے بینک کے لیے کھیل رہا تھا۔ اسے باہر کرنا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا منیب باہر ہوا اور اس کا ذمّے دار بھی وہ حماد کو سمجھتا تھا ہر گزرے دن اس کی حماد سے نفرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور وہ سوچتا تھا کہ حماد درمیان میں نہ ہوتا تو وہ بینک کی طرف سے کھیل رہا ہوتا۔ حماد نے پچھلے کچھ عرصے میں جو شہرت حاصل کی تھی۔ اس کے بعد منیب اختر کے باپ کے لیے بھی ممکن نہیں رہا تھا کہ بینک حکام پر دباؤ ڈال کر اس کی جگہ اپنے بیٹے کو ٹیم میں شامل کرا سکتا تھا۔ لہٰذا اب وہ کوشش کر رہا تھا کہ منیب کو آسٹریلیا کے دورے پر جانے والی اے ٹیم میں شامل کرا

دے۔ اس ٹیم کا چیف سلیکٹر اس کا خاندانی عزیز تھا لیکن کچھ عرصے سے اختر کے اس سے تعلقات کشیدہ تھے۔ اب وہ ان تعلقات کی بحالی کے لیے کوشش کر رہا تھا۔ تاکہ منیب کو اے ٹیم میں شامل کرا سکے۔ یہ بات منیب نے خود بینک کی ٹیم کے ساتھیوں کو بتائی تھی۔

دعوت کے دوران میں کئی بار لیلی بہانے بہانے سے ان کی میز تک آئی تھی۔ بظاہر میزبانی کی رسم نبھا رہی تھی لیکن یہ سب نے محسوس کیا کہ اس کی خصوصی توجہ حماد پر تھی۔ اس کے ساتھی معنی خیز نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ جھینپ رہا تھا۔ صرف منیب کی آنکھوں میں اس نے نفرت دیکھی۔ لیلی جس طرح اس پر توجہ دے رہی تھی۔ وہ مزید جل رہا تھا کیونکہ اسی لیلی نے اس کی کوشش کے باوجود اسے لفٹ کرانے سے انکار کر دیا تھا۔ جب ایک بزنس ڈنر میں وہ اپنے باپ کے ساتھ آیا تھا۔ لیلی نانا کی وجہ سے وہاں چلی گئی تھی۔ ورنہ اسے اس قسم کی پارٹیوں سے بوریت ہوتی تھی۔ جہاں ہمہ وقت دو جمع دو برابر چار کی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس کا چہرہ پوری محفل میں نمایاں تھا اور اکثر نوجوان اس کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔ منیب بھی ان نوجوانوں میں شامل تھا۔

"ہیلو مس لیلی۔" اس نے موقع پاکر کہا۔

"ہیلو میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔ اس پر اردگرد موجود افراد ہنسے تھے۔ منیب کسی قدر مشتعل ہو گیا تھا۔

"مس لیلی میں آپ کے نانا کے بزنس پارٹنر کا بیٹا ہوں۔"

"نانا وہ بیٹھے ہیں۔" لیلی نے انگلی سے اشارہ کیا تو ایک بار پھر قہقہہ پڑا تھا اور منیب پیر پٹختا چلا گیا تھا۔ اب یہی لیلی کیسے حماد کی توجہ حاصل کرنے کے جتن کر رہی تھی۔ وہ سلگ رہا تھا۔ جب اس سے برداشت نہیں ہو سکا تو وہ اٹھ کر چلا گیا۔

"اسے کیا ہوا؟" کسی نے حیرت سے کہا۔

"مرض رقابت۔" کسی نے ہنس کر جواب دیا۔

"تم لوگ یہ موضوع ترک نہیں کر سکتے۔" حماد نے سرد لہجے میں کہا تو وہ لوگ چپ ہو گئے پھر موضوع کرکٹ کی طرف گھوم گیا اور بات حماد پر آ گئی "یار تمہیں اتنی زبردست بالنگ کیسے ملی۔"

"ان دوپہروں میں جب لوگ اپنے اے سی کمروں میں سو رہے ہوتے تھے۔" حماد بولا۔

"کرکٹ از اے گیم آف اسٹرگل۔" شہریار نے کہا۔ "محنت کے بغیر آپ کچھ نہیں سیکھ سکتے۔ یہاں ٹاپ پر صرف وہی لوگ پہنچتے ہیں جو جان توڑ محنت کرنا جانتے ہیں۔ ویسے میں نے کچھ اڑتی اڑتی خبر سنی ہے کہ اس سال ویسٹ انڈیز کی ٹیم کے دورے کے لیے جن ممکنہ کھلاڑیوں کے ناموں پر غور ہو رہا ہے۔ ان میں حماد کا نام بھی شامل ہے۔"

حماد کا دل دھڑک اٹھا "آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ میں قطعی سنجیدہ ہوں۔ مجھے یہ بات بورڈ کے ایک بندے نے بتائی ہے کیونکہ زیر غور کھلاڑیوں میں میرا نام بھی شامل ہے۔ اب دعا کرو کہ انٹرویو لیٹر آجائے۔"

"آپ اس کے حق دار بھی ہیں۔" حماد نے خلوص سے کہا "مجھے خوشی ہوگی کہ آپ قومی ٹیم میں شامل ہو جائیں۔"

"تھینک یو بوائے۔" شہریار ہنسا "اپنا کوئی خاص چانس نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ ٹیم کے مڈل آرڈر میں تمام کھلاڑیوں کی جگہ پکی ہے البتہ تمہاری بات اور ہے۔"

حماد کی آنکھوں میں نئے خواب اتر آئے تھے اور وہ ان خوابوں کو دیکھنے میں حق بجانب تھا۔ کچھ عرصے پہلے تک وہ موجودہ مقام کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا لیکن یہ انسانی فطرت ہے ایک بار کامیابی مل جائے تو پھر وہ ہمیشہ نئی منزلوں کی طرف دیکھتا ہے۔

اس تقریب کے بعد لیلی نے اس سے ملنا شروع کر دیا۔ پہلے تو صرف گراؤنڈ تک آتی تھی پھر اس کے گھر بھی آنے لگی رفتہ رفتہ حماد اس کی پیش قدمی کے آگے بے بس ہوتا چلا گیا۔ بالآخر اس نے تسلیم کر لیا کہ وہ لیلی کو پسند کرتا تھا۔ اس کے اعتراف سے لیلی کھل اٹھی تھی۔ وہ حسین تھی، دلکش تھی اور دلکش نظر آنے کے تمام گر جانتی تھی۔ بے باک تھی۔ عام لڑکیوں کی طرح اس میں شرم یا جھجک نہیں تھی لیکن اس میں سستا پن بھی نہیں تھا۔ اس کی چاہت اس کے رویے سے جھلکتی تھی۔ تنہائی میں بھی اس نے کبھی حماد سے اس انداز میں قریب ہونے کی کوشش نہیں کی جو اس کے طبقے کی لڑکیوں میں معروف تھا۔ عزت اور حیا ان کے نزدیک اضافی اشیا تھیں جن کے ہونے یا نہ ہونے سے زیادہ فرق نہیں پڑتا تھا اور یہی چیز حماد کے دل کو چھو گئی تھی۔ لیلی نے اسے اپنی طرف راغب کیا تھا لیکن خود کو اس پر مسلط نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ آہستہ آہستہ اس کے حواس پر طاری ہوتی گئی پھر ایک روز حماد کو خیال آیا۔ اس نے لیلی سے کہا۔

"تم اور میں جس راستے پر جا رہے ہیں۔ اس کا انجام کیا

ہو گا۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" لیلیٰ بولی "ویسے اس سوال کا مقصد؟"

"تمہارے اور میرے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم ایک دولت مند باپ کی بیٹی اور بے حد دولت مند نانا کی نواسی ہو میں ایک معمولی سا فرد ہوں۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"تو۔ میں نے تمہاری حیثیت کو نہیں چاہا ہے۔" لیلیٰ نے ساحل کی ریت کو کریدا۔ وہ دونوں ساحل پر سورج کو ڈوبتا دیکھنے آئے تھے۔

"بات صرف میری اور تمہاری نہیں ہے۔ ہمارے خاندانوں کی بھی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں تمہیں پسند کروں یا کسی بھنگن کو مجھے یقین ہے میرے گھر والے صرف میری پسند کو دیکھیں گے۔ کیا تمہارے گھر والے ایسا کر سکتے ہیں۔"

"نہیں۔" لیلیٰ نے صاف گوئی سے کہا "مگر زندگی مجھے گزارنی ہے ان کو نہیں۔"

"تم کیا کرو گی؟"

"میں ان سے اپنی پسند منواؤں گی۔"

"اور وہ نہ مانے تو بغاوت کر دو گی۔"

"نہیں۔" لیلیٰ نے سوچ کر کہا۔

"یعنی ہماری راہیں جدا ہوں گی۔"

"تم ابھی سے یہ بکواس کیوں سوچ رہے ہو۔" لیلیٰ بولی "ابھی ہمارے پاس بہت وقت ہے تمہیں اپنا کیریئر بنانا ہوگا۔ مجھے ڈاکٹر بننا ہے۔"

"میں نہیں سوچ رہا تھا۔ تم نے مجھے مجبور کیا۔" حماد نے اسے شوخ نظروں سے دیکھا تو وہ آنکھیں چرانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"اور اب میں ہی کہہ رہی ہوں۔ تم صرف اپنے کیریئر کے بارے میں سوچو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ کئی دن سے تم پریکٹس پر نہیں گئے۔"

"عشق نے ہم کو نکما کر دیا غالب۔۔۔" حماد نے سرد آہ بھری۔

"فضول باتیں مت کرو۔" لیلیٰ جھینپ گئی تھی۔

"سنو کل میں لاہور جا رہا ہوں۔ مجھے ائرپورٹ پر سی آف کرنے آؤ گی۔"

"مشکل ہے۔ کل ہی مجھے میڈیکل کے ٹیسٹ میں شریک ہونا ہے۔ اگر وہاں سے جلدی آ گئی تو پھر ائرپورٹ پر آؤں گی۔"

○☆○

لیلیٰ نے کار پورچ میں روکی تو اطہر اسے لان پر بیٹھا نظر آیا تھا۔ اندھیرا ہونے کے بعد بلب روشن ہو گئے تھے۔

"کیا ہو رہا ہے پاپا۔ مما کہاں ہیں۔"

"کسی پارٹی میں گئی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آ رہی ہو؟"

"حماد کے پاس سے۔ ہم سی سائیڈ گئے تھے۔" لیلیٰ نے صاف گوئی سے کہا "آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

اطہر اسے کیا بتاتا۔ آج وہ ذرا فارغ تھا تو اس کے ذہن میں غالباً پہلی بار یہ بات آئی تھی کہ اس کی بیٹی اب بچی نہیں تھی۔ بلکہ جوان ہو گئی تھی۔ یہ وہ عمر ہوتی ہے جب کسی کو چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش بیدار ہوتی ہے۔ اطہر اس مرحلے سے گزر چکا تھا اور اسے حیرت تھی کہ یہ سب پہلے اسے کیوں نظر نہیں آیا تھا۔ یہ تو ایکشن ری پلے تھا۔ یہ دور اس پر اور شائلہ پر بھی تو گزرا تھا جو اب لیلیٰ اور حماد پر گزر رہا تھا۔ تو کیا یہ کہانی ایک بار پھر دہرائی جا رہی تھی۔ لیلیٰ اور حماد کی ملاقاتیں۔ لیلیٰ کی اس کے لیے وارفتگی' بار بار گراؤنڈ پر آنا۔ وہ جب بھی حماد کا ذکر کرتی اس کی آنکھوں میں ایک والہانہ سی چمک آ جاتی تھی۔ سچی بات یہ تھی کہ حماد خود اسے بھی اچھا لگا تھا۔ اس قسم کے نوجوان فی زمانہ بہت کم بلکہ نایاب تھے۔ وہ حساس تھا' ذمے دار تھا اور سب سے بڑھ کر اس عمر میں بھی مجبور تھا۔ اطہر کو وہ وقت یاد آیا جب ہاتھ زخمی ہونے کے باوجود محض ٹیم کے لیے اس نے میدان میں جانے پر اصرار کیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ موجودہ صورتِ حال میں اس کے سوا کوئی دوسرا بالر مخالف کھلاڑیوں کو آؤٹ نہیں کر سکے گا اور یہ اس کی ذمے داری تھی۔

اب اطہر نے سوچا تو یہ انکشاف ہوا کہ ابتدا میں وہ لیلیٰ سے کتنا گریزاں تھا۔ یہ لیلیٰ ہی تھی جو اس کی طرف بڑھی تھی۔ وہ مسلسل بولے جاتی تھی اور حماد شرمیلے انداز میں مختصر جواب دیتا تھا۔ ویسے بھی اسے لڑکیوں سے تو کیا لڑکیوں میں بھی گھلنے ملنے کی عادت نہیں تھی۔ میچوں کے دوران بھی جب لڑکیاں اس کی طرف بڑھتی تھیں۔ وہ اس سے آٹوگراف کی فرمائش کرتی تو وہ جان چھڑانے کے انداز میں انہیں آٹوگراف دے دیا کرتا تھا۔ حالانکہ دوسرے لڑکے اس موقع پر پھیل جاتے تھے اور لڑکی ذرا خوب صورت ہوتی تو ان کی کوشش ہوتی کہ اسے جانے ہی نہ دیں۔ اطہر نے خود دیکھا تھا کہ ایک تقریب میں قومی ٹیم کے ایک نوجوان اور

خوب رو کھلاڑی کو لڑکیوں نے گھیرا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ لڑکیوں کے شانوں پر ہاتھ مار کر قہقہے لگا رہا تھا اور وہ بھی برا نہیں منا رہی تھیں۔

حماد ایک مثالی نوجوان تھا اور اب وہ لیلی کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس کا ردِ عمل کیا ہونا چاہیے تھا۔ اطہر نے خود سے پوچھا۔ اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ مگر ایک بات طے تھی کہ اسے ناگوار نہیں گزرا تھا اور یہ بجائے خود کسی جواب سے کم نہیں تھا۔ اس شام لیلی گھر آئی تو اطہر نے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیلی کے سوال نے اسے موقع دے دیا۔

"لیلی بیٹھ جاؤ اور جو میں کہوں اسے غور سے سنو۔" اطہر نے کہا تو وہ کرسی پر ٹک گئی "دیکھو بیٹا، ہم باپ بیٹی ہمیشہ سے دوست رہے ہیں اور ہم نے کبھی ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپایا۔ یہ بتاؤ کہ حماد تمہیں کیسا لگتا ہے؟"

لیلی کے چہرے پر آنے والی سرخی اطہر کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہی تھی "کک۔ کیا مطلب پاپا؟" وہ ہکلائی۔

"مطلب وہی ہے جو تمہاری سمجھ میں آرہا ہے۔ مجھے امید ہے تم اپنے پاپا سے جھوٹ نہیں بولوگی۔"

لیلی نے سر جھکاتے ہوئے کہا "حماد مجھے اچھا لگتا ہے۔"

"اور حماد کو۔۔۔؟" اطہر نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

لیلی کے چہرے کی سرخی مزید بڑھ گئی۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی "پاپا۔ وہ۔ وہ بھی مجھے۔ پسند کرتا ہے۔"

"تو معاملہ یہاں تک آپہنچا ہے۔" اطہر نے سوچا "اب میری مداخلت کا وقت آگیا ہے۔" وہ لیلی سے بولا "ایسا کرو کل حماد کو گھر پر بلالو۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اوکے پاپا۔" لیلی خوش ہو گئی۔ اگر اطہر کو وہ ناپسند ہوتا تو وہ اسے گھر میں بلانے کے بجائے گھر میں اس کا داخلہ بند کر دیتا۔

○☆○

حماد کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اسے معلوم تھا اطہر نے اسے کیوں بلایا ہے۔ وہ کس قدر گھبرایا ہوا تھا اور اس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ اطہر نے اسے اپنے اسٹڈی روم میں بلالیا تھا۔ یہاں وہ بغیر کسی مداخلت کے حماد سے بات کر سکتا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے حماد سے کہا۔ وہ ایک کرسی پر ٹک گیا۔ اسے اطہر کی جائزہ لیتی نظروں سے الجھن ہو رہی تھی۔ رات لیلی نے اسے فون کر کے بتایا کہ اس نے اپنے باپ کو اپنی پسند کے بارے میں بتا دیا تھا اور پاپا نے اسے کل گھر پر بلایا ہے۔

"جی سر، آپ نے مجھے بلایا تھا۔" جب خاموشی حماد کی برداشت سے باہر ہوئی تو وہ بول اٹھا۔

"برخوردار کچھ دیر صبر کرو۔" اطہر بولا۔ اسی لمحے لیلی اسٹڈی میں داخل ہوئی اس نے ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ اس میں چائے اور کافی کے کپ تھے۔ کافی اس نے اطہر کو دی اور چائے حماد کے سامنے رکھی۔ وہ کافی نہیں پیتا تھا پھر وہ خاموشی سے ایک نظر حماد کو دیکھ کر اسٹڈی سے نکل گئی۔

"چائے پیو برخودار۔" اطہر بولا تو وہ چونکا۔ کافی ختم کر کے اطہر نے ٹشو سے منہ صاف کیا۔ "ہاں تو اب بات ہو جائے۔ حماد تم جانتے ہو کہ میری ایک ہی بیٹی ہے اور مجھے اس کے مفاد کا خیال ہے۔" اطہر اٹھ کر ٹہلنے لگا تھا "ابھی اس کے پڑھنے کی عمر ہے۔ میڈیکل کی تعلیم چھ سال پر محیط ہوتی ہے پھر ہاؤس جاب گویا سات سال لگالو۔ دوسری طرف تمہیں بھی ابھی آگے بڑھنا ہے۔ بینک کی طرف سے کھیلنا صرف ایک راستہ ہے۔ جس پر چل کر تم قومی ٹیم تک رسائی حاصل کر سکو گے۔ تم شاید جان گئے ہو کہ اس سال ویسٹ انڈیز کی آنے والی ٹیم کے لیے جو تربیتی کیمپ لگ رہا ہے۔ اس میں شامل ممکنہ کھلاڑیوں میں تم بھی شامل ہو۔ گویا یہ وقت ہے کہ تم اپنی توجہ ہر طرف سے ہٹا کر صرف کھیل کی طرف دو۔ میری بات سمجھ رہے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"تم لیلی کو پسند کرتے ہو؟" اطہر نے اچانک پوچھا۔

"جی ہاں۔" حماد نے پھر کہا۔

"اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں۔" حماد نے جرأت کا مظاہرہ کیا۔

"کیا تم شادی کے بعد اتنی ہی یکسوئی سے کھیل پر توجہ دے سکو گے۔"

حماد سوچ میں پڑ گیا "شاید نہیں۔"

"شاید نہیں برخوردار! بلکہ بالکل نہیں۔ شادی کے بعد انسان بندھ کر رہ جاتا ہے۔" اطہر زور دے کر بولا "میرا مشورہ ہے کہ فی الوقت تم اس معاملے کو یہیں چھوڑ دو۔"

"لیکن سات سال بہت طویل عرصہ ہے جناب۔" حماد نے پہلی بار کوئی جملہ کہا۔

"کیا مطلب؟" اطہر چونکا۔

"مطلب یہ جناب کہ ایسا نہ ہو کہ ہم انتظار کرتے رہ جائیں۔" حماد ادب سے بولا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں تمہیں بہلا رہا ہوں۔" اطہر

کو غصہ آگیا "تمہیں دھوکا دے رہا ہوں۔"

"آپ میرے محسن ہیں۔ میں آپ کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن جناب غور کریں سات سال بہت بڑی مدت ہوتی ہے۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جاتی ہے۔"

"کیا تمہارے لیے میری زبان کافی نہیں ہے یا تمہیں اپنے جذبے پر شبہ ہے۔" اطہر نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

"آپ مجھے گالی مت دیں۔" وہ تڑپ کر بولا "میری بات کو سمجھیے۔ بات آپ اور مجھ تک رہے گی تو میں باقی دنیا کو کیا جواب دوں گا۔ اپنی ماں کو کیا کہوں گا جو ابھی میرے سر پر سہرا باندھنے کی آرزو کر رہی ہے۔"

بات اطہر کی سمجھ میں آئی تو اس نے ستائشی نظروں سے اس لڑکے کی طرف دیکھا۔ جو ابھی بیس سال کا ہی تھا لیکن اس کا ذہن بہت دور کی سوچتا تھا۔ اطہر نے کہا "میں تمہاری بات سمجھ گیا۔ اب تم بے فکر ہو کر اپنے کھیل کی طرف توجہ دو۔ ہم دسمبر میں بات کریں گے۔ یعنی ویسٹ انڈیز کے ٹور کے بعد۔"

O☆O

حماد پیٹرز ٹرافی کے دوسرے مرحلے کا میچ کھیل رہا تھا کہ اخبار میں ویسٹ انڈیز کی آمد کے موقع پر لگنے والے تربیتی کیمپ کے لیے ممکنہ کھلاڑیوں کے ناموں کا اعلان ہوا جن میں حماد احمد بھی شامل تھا۔ وہ میدان میں تھا۔ لنچ کے بعد کے سیشن میں وہ مخالف ٹیم کے کھلاڑیوں کو آؤٹ کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ پانی کے وقفے کے دوران میں ٹیم میں اس کا ساتھی شہزاد آکر اس کے گلے لگ گیا۔

"مبارک ہو۔ تمہیں تربیتی کیمپ کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے۔" اس نے ہاتھ میں تھاما اخبار لہرایا۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا شہزادے۔" شہریار نے اسے سینے سے لگا کر کہا۔ سب نے حسب توفیق مبارک باد دی تھی۔ اور کئی رشک و حسد محسوس کر رہے تھے۔ ایک سینیر کھلاڑی نے اپنے ساتھی سے شکوہ کیا "ہمیں فرسٹ کلاس کرکٹ کھیلتے ہوئے برسوں بیت گئے ہمیں کسی کیمپ میں شرکت کا دعوت نامہ نہیں ملا اور یہ کل کے بچے آتے ہی ایک آدھ میچ کھیل کر قومی ٹیم میں چلے جاتے ہیں۔ سلیکٹرز کا بس نہیں چلتا ورنہ وہ پنگوڑھوں سے بچے اٹھا کر قومی ٹیم میں شامل کر لیں۔"

"یہ سب مقدر کی باتیں ہیں۔" دوسرے کھلاڑی نے آہ بھری تھی۔

اطہر جو اتفاق سے ان دونوں کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے کہا "یہ سب مقدر کی نہیں محنت کی بات ہے۔ تم لوگوں نے دس سال میں کوئی ترقی نہیں کی۔ دس سال سے ایک ہی انداز میں کھیلے جا رہے ہو۔"

ٹی ٹائم تک حماد کو بورڈ کی جانب سے بھیجا جانے والا ٹیلی گرام مل گیا تھا اور وہ یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ اسے پرسوں کیمپ جوائن کرنے کو کہا گیا تھا۔ اس نے اطہر سے کہا "پرسوں تو اس میچ کا آخری دن ہے۔ میں کیسے جا سکتا ہوں۔"

"جیسے سب چلے جاتے ہیں۔ اشارہ ملنے پر وہ پہلے ہی دن میچ چھوڑ کر بگٹٹ بھاگے چلے جاتے ہیں۔"

"گویا اصول کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"کم از کم ارباب اختیار کے نزدیک۔" اطہر کا لہجہ تلخ تھا "ورنہ کیا انہیں نہیں معلوم کہ کھلاڑی کس تاریخ کو میچ کھیل رہا ہوگا۔ وہ اس سے پہلے یا بعد میں بھی اسے بلا سکتے ہیں لیکن ان کے نزدیک صرف اپنا فرمایا ہوا بجا ہوتا ہے۔ باقی سب بھاڑ میں جائے۔ اصول ڈسپلن اور اخلاق سب کی ایسی کم تیسی۔ بورڈ خود کو ہر شے سے بالاتر سمجھتا ہے۔"

"میں میچ کے بعد ہی جاؤں گا۔" حماد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو۔ کیمپ صرف ایک ہفتے کا ہے اور تم ایک دن ضائع کر کے خسارے میں رہو گے۔" اطہر نے اسے ڈانٹا "تمہیں جانا ہوگا۔"

"لیکن یہ میچ بھی اہم ہے۔ اسے جیت کر ہم سرفہرست ہو جائیں گے۔"

"یہ لڑکا صحیح کہہ رہا ہے۔" ٹیم کے منیجر وہاب علی نے کہا "بورڈ کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ دوران میچ ہم سے کوئی کھلاڑی طلب کرے۔"

اس وقت اطہر خاموش رہا لیکن اس دن کے خاتمے پر وہ ہوٹل میں حماد کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے حماد کو لگا کہ وہ غصے میں تھا اور جب وہ بولا تو اس کی تصدیق بھی ہو گئی "تمہیں کیا ضرورت تھی یہ بات کہنے کی کہ تم میچ کے بعد لاہور جاؤ گے۔ وہ وہاب علی اب مصر ہے کہ تمہیں میچ سے پہلے ریلیز نہیں کرے گا۔"

"تو سر اس سے فرق بھی کیا پڑے گا۔"

"ویسے تو بڑے عقل مند بنتے ہو۔" اطہر نے دانت پیسے "دیکھو حماد، یہ صرف مفاد کی دنیا ہے ہر شخص پہلے اپنے اور پھر اپنے قریبی عزیزوں اور رشتے داروں پھر دوست یاروں کا مفاد دیکھتا ہے۔ یہ فہرست خاصی طویل ہے تمہیں کہاں تک

بتاؤں۔ مگر قومی مفاد اس میں سب سے آخری نمبر پر آتا ہے۔"

"حالانکہ اسے پہلے نمبر پر ہونا چاہیے۔" حماد نے اعتراض کیا۔

اطہر کا طیش سے برا حال ہونے لگا "برخوردار یہ سب باتیں کتابوں میں اچھی لگتی ہیں کہ یوں ہونا چاہیے اور ایسے ہونا چاہیے۔ ہوتا اس کے برعکس ہی ہے۔ تمہارا مفاد اس میں ہے کہ تم لاہور جاؤ۔ سب سے پہلے پہنچ جاؤ۔ کیونکہ ابھی تمہیں چانس کی ضرورت ہے بعد میں جب تم ٹیم کی ضرورت بن جاؤ گے تو تاخیر سے جاؤ یا بالکل مت جاؤ۔ یہ ہر حال میں تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اور میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد قومی ٹیم میں آجاؤ۔ اس میں میرا مفاد بھی ہے۔ تم سمجھ رہے ہو ناں؟"

حماد خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا اور حیران تھا کہ کیا واقعی ذاتی مفاد اتنا اہم ہے کہ اس کے لیے اجتماعی مفاد کو انسان اتنی آسانی سے نظرانداز کر دے۔ قانون، اصول اور اخلاقیات نام کی کوئی چیز اس کھیل میں نہیں رہی۔ کرکٹ جسے شریف لوگوں کا کھیل کہا جاتا ہے۔ اس کے کھلاڑی سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایمان دار اور دیانت دار ہوگا۔ جس میں کھلاڑی آؤٹ ہونے کے بعد از خود کریز چھوڑ دیتا ہے۔ فیلڈر ایسے کیچ کے بارے میں جو زمین کو چھو چکا ہو۔ اعتراف کرلیتا ہے لیکن نہیں۔ یہ سب ماضی کی بات تھی۔ آج بلے باز آؤٹ قرار دیے جانے کے بعد بھی ڈھٹائی سے کریز پر کھڑا رہتا ہے اور یہ تاثر دیتا ہے کہ اسے غلط آؤٹ دیا گیا ہے۔ زمانے کے ساتھ کھیل کی اقدار بھی بدل گئی ہیں۔ کرکٹ اب شرفا کا نہیں پیسے کا کھیل بن گیا ہے۔ کھلاڑی فتح کے لیے ہر ہتھکنڈے کو جائز سمجھتے ہیں۔ بے ایمانی کرنا، مخالف امپائروں پر دباؤ ڈالنا اور منفی حربے اب عام سی بات ہیں۔ کرکٹ میں کمرشل ازم نے ہر قیمت پر فتح کے رجحان کو فروغ دیا ہے۔ کھلاڑی اب ٹیم سے زیادہ اپنے لیے کھیلتے ہیں۔ ان کے لیے پہلے اپنا مفاد اور پھر ٹیم کا مفاد اہم ہوتا ہے۔

"تو پھر تم جا رہے ہو؟" اطہر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

حماد نے کچھ دیر سوچا اور نفی میں سر ہلا دیا "میرے نزدیک یہ اصول کے خلاف ہے۔ میں میچ کے دوران کہیں نہیں جاسکتا۔"

"احمق۔ تم قومی ٹیم میں شامل کیے جانے سے رہ بھی سکتے ہو۔" اطہر چلایا۔

"میں آپ کی بات رد نہیں کرسکتا لیکن اصول۔۔"

"احمق تم اپنے اصول لیے بیٹھے رہو۔" اطہر جھلا کر وہاں سے چلا گیا۔

حماد سوچ رہا تھا کہ اس کے پاس ایک دن ہے۔ اگر وہ میچ جیت گئے تو وہ پرسوں لاہور جاسکتا تھا۔ بلکہ اس شام کی فلائٹ سے سیٹ دستیاب ہوتی تو وہ رات کو ہی وہاں جاسکتا تھا لیکن میچ۔۔۔ انہوں نے ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کی اور پوری ٹیم دو سو چالیس پر آؤٹ ہوئی۔ جواب میں انہوں نے مخالف ٹیم کو ایک سو تراسی پر آؤٹ کرلیا تھا اور دوسرے دن کھیل کے خاتمے تک تین وکٹوں پر ایک سو بارہ رنز بنالیے تھے۔ اور ان کی کل برتری ایک سو انہتر رنز کی ہوگئی تھی۔ اگر وہ کل لنچ کے بعد ان کو بیٹنگ دیتے تو امکان تھا کہ تیسرے دن ہی میچ کا فیصلہ ہوجاتا کیونکہ وکٹ بالنگ کے لیے موزوں تھی۔ یہی سوچ کر حماد نے اگلے روز صبح کی فلائٹ کا ٹکٹ لے لیا۔ جو اس کے لیے ایک بورڈ اہلکار لایا تھا۔ اسی رات حماد نے کپتان محسن مجتبیٰ سے درخواست کی کہ وہ کل بلے بازوں کو تیز کھیلنے کی ہدایت کرے۔

"مگر کیوں۔ ابھی۔ بہت وقت پڑا ہے۔ ہم آرام سے کھیل کر بھی جیت سکتے ہیں۔"

اس پر حماد کو اسے تمام صورتِ حال سے آگاہ کرنا پڑا۔ محسن مزید حیران ہوا "تو کیا ہوا تم چلے جانا۔ بورڈ کی بات تو ماننا ہی پڑتی ہے۔"

"لیکن میچ میں اس مرحلے پر کیسے جاسکتا ہوں۔ جبکہ میری بالنگ کی ضرورت ہے۔"

"یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے لیکن تم اگر کہہ رہے ہو تو میں کل بلے بازوں کو تیز کھیلنے کو کہہ دوں گا۔"

اگلے روز جب ٹیم کے دوسرے کھلاڑیوں کو معلوم ہوا تو وہ بھی دنگ رہ گئے۔ کئی نے اسے سمجھایا اور بقیہ نے اسے جھکی قرار دیا۔ مگر محسن نے اس کا ساتھ دیا۔ اس نے اپنے بلے بازوں کو کہا کہ وہ تیز کھیلیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس وکٹ پر چوتھی اننگز میں ڈھائی سو رنز ایک فتح گر مجموعہ ہوگا۔ بلے بازوں نے اس کی ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی مگر ایک بالنگ وکٹ پر تیز کھیلنا مشکل کام تھا۔ اور اس کوشش میں بلے باز یکے بعد دیگرے آؤٹ ہونے لگے۔ خود حماد بھی صرف نو رنز بنا سکا۔ لنچ پر اسکور نو وکٹوں پر ایک سو ستانوے ہوچکا تھا اور کل برتری دو سو چون رنز کی تھی۔ جو محسن کے خیال میں ایک اچھا اسکور تھا۔ لہٰذا اس نے اننگ ڈکلیئر کردی اس کا خیال تھا کہ مخالف ٹیم کو آج کے دن ہی آؤٹ کرے گا۔ مگر سوچا ہوا ہمیشہ کب پورا ہوتا ہے۔ خلافِ توقع

دوسری ٹیم کے بلے بازوں نے زبردست مزاحمت کی اور ٹی ٹائم تک انہوں نے بانوے رنز بنالیے تھے اور ان کے صرف دو کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔ حماد کا چہرہ اتر گیا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے مفاد کے لیے اچھی بھلی فتح کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ محسن نے اس کی کیفیت کو محسوس کرلیا تھا۔ اس نے حماد کو تسلی دی۔

"اب ایسا بھی منہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج کے بیالیس اوور باقی ہیں۔ ہم کوشش کرسکتے ہیں۔"

یہ حقیقت ہے کہ ایک ٹیم کتنے ہی باصلاحیت کھلاڑیوں کا مجموعہ کیوں نہ ہو کپتان سے زمین آسمان کا فرق پڑجاتا ہے۔ ایک اچھا کپتان کمزور ٹیم کو بھی فتح گر دستہ بنادیتا ہے اور ایک خراب کپتان اچھی بھلی مضبوط ٹیم کے ساتھ بھی فتح سے محروم رہتا ہے۔ بینک کی خوش قسمتی کہ اسے محسن کی شکل میں ایک اچھے بلے باز کے ساتھ بہترین کپتان بھی مل گیا تھا۔ اس نے ٹیم کو متحد کردیا تھا اور بعض کمزور کھلاڑیوں کے باوجود اچھے نتائج حاصل کیے تھے۔ وہ اپنے کھلاڑیوں کا بے حد خیال رکھتا تھا اور ان کا حوصلہ بڑھاتا رہتا تھا۔ حماد نے بھی اس کی تسلی سے حوصلہ محسوس کیا۔ ٹی ٹائم سے پہلے زیادہ تر فاسٹ بالر بالنگ کراتے رہے تھے اور اسے صرف دو اوور کرانے کا موقع ملا تھا کیونکہ وکٹ ٹوٹ گئی تھی۔ لہٰذا خاصا اسپن لے رہی تھی۔ وہ خود کو بالنگ کے لیے تیار کرنے لگا۔ آج اسے نہ صرف ٹیم بلکہ اپنے لیے بھی بالنگ کرانی تھی۔ پہلی اننگ میں بھی اسے زیادہ بالنگ کرانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ نئے فاسٹ بالر نے اچھی بالنگ کراتے ہوئے مخالف ٹیم کے سات کھلاڑی آؤٹ کردیے تھے لیکن دوسری اننگ میں وہ پہلی جیسی کارکردگی دہرانے میں ناکام رہا تھا۔ حالانکہ وکٹ کا گڈ لینتھ کا حصہ ٹوٹ جانے سے بے حد خطرناک ہو رہا تھا۔ بال کبھی اٹھتی اور کبھی بیٹھ جاتی تھی۔

حماد نے اسی حصے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے مسلسل گڈ لینتھ پر بال پھینکنا شروع کی تھی اور ٹی ٹائم کے ایک گھنٹے کے اندر اننگ کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ صرف بتیس رنز کا اضافہ ہوا تھا اور مزید پانچ وکٹیں گری تھیں۔ جن میں سے چار حماد کے حصے میں آئی تھیں۔ فتح سامنے نظر آرہی تھی۔ مگر اس موقع پر مخالف ٹیم کے ٹیل اینڈرز نے زبردست مزاحمت کی اور تمام تر کوشش کے باوجود وہ پوری ٹیم کو آؤٹ کرنے میں ناکام رہے تھے۔ حماد آج کے دن کا آخری اوور کرا رہا تھا۔ نو وکٹیں گرچکی تھیں اور صرف ایک وکٹ باقی تھی۔ اگر یہ وکٹ گر جاتی تو وہ کل صبح لاہور جاسکتا تھا۔ اسے براہِ راست قذافی اسٹیڈیم جاکر کیمپ انچارج کو رپورٹ کرنا تھی جو سابق ٹیسٹ فاسٹ بالر تھا۔ مگر کوشش کے باوجود حماد یہ آخری وکٹ نہ حاصل کرسکا اور کھیل چوتھے دن تک کے لیے چلا گیا تھا۔

"فکر مت کرو۔" اس کی مایوسی محسوس کرتے ہوئے محسن نے اسے تسلی دی "آخری وکٹ کی تو بات ہے یہ ہم حاصل کرہی لیں گے۔ تم اب کل کی فلائٹ پکڑسکتے ہو۔"

حماد بھی یہ بات جانتا تھا۔ اس کی ٹیم فتح یاب ہوچکی تھی۔ مخالف ٹیم کو جیت کے لیے پچہتر رنز درکار تھے جو ان حالات میں تقریباً ناممکن تھے مگر بات تھی اصول کی۔ پہلے بھی وہ اسی وجہ سے ٹھہرا تھا اور اب بھی وہ اسی وجہ سے نہیں جارہا تھا۔ اگلے روز جب ٹیم گراؤنڈ پر پہنچی تو حماد کو وہاں موجود دیکھ کر سب ہی حیران رہ گئے اور اطہر سب کے سامنے اس پر برس پڑا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی سنتا رہا۔ کپتان محسن نے بھی اسے سمجھایا کہ بلاوجہ ضد سے کام نہ لے۔

"میں میچ ختم ہونے کے بعد ہی جاؤں گا۔" اس نے سب کے جواب میں صرف اتنا ہی کہا۔

"میرا خدا کس ضدی سے پالا پڑگیا ہے۔" محسن نے سر پر ہاتھ مارا "ٹھیک ہے بابا کھیلو۔"

"ایک منٹ!" شہریار جو کچھ سوچ رہا تھا بولا "حماد کی فلائٹ دس چالیس پر ہے اور میچ ساڑھے نو بجے شروع ہوگا۔"

حماد کی آنکھوں میں چمک آگئی "یعنی میں ائرپورٹ پہنچ سکوں گا۔ فلائٹ کی روانگی سے پہلے۔"

محسن نے بھی سوچا "ہاں یہ ممکن ہے۔ یہاں سے ائرپورٹ تک کا فاصلہ شاید بیس منٹ کا ہے۔ میں اپنے دوست کو فون کرتا ہوں۔ وہ جناح ٹرمینل میں کام کرتا ہے۔ وہ تمہارا بورڈنگ پاس بنوالے گا۔"

حماد ایک بار پھر پرجوش ہوگیا۔ کیونکہ اس نے آج صبح کے اخبار میں تربیتی کیمپ کے نگران سابق فاسٹ بالر کا بیان پڑھا تھا کہ جن کھلاڑیوں نے پہلے روز کیمپ جوائن نہ کیا۔ انہیں جرمانہ کیا جائے گا اور ممکن ہے بات جرمانے سے آگے بڑھ جائے۔ یہ بیان پڑھ کر اس کا دل ہی ڈوب گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ گراؤنڈ پر آگیا تھا۔ ساڑھے نو بجے سے پہلے حماد اور اس کی ٹیم گراؤنڈ میں آچکی تھی۔ بلکہ جب بلے باز آئے تو زاہد بالنگ اینڈ پر تیار کھڑا تھا اور جیسے ہی بلے باز تیار ہوا اس نے دوڑنا شروع کردیا۔ اس نے شارٹ پچ بال پھینکی۔ بلے باز نے بچنے کی کوشش کی مگر گیند بلے سے لگ کر فضا میں

اچھل چکی تھی۔ حماد جو مڈ وکٹ پر فیلڈنگ کر رہا تھا۔ اپنے
دائیں طرف دوڑا۔ گیند اس سے خاصی دور تھی اور بظاہر یہ
کیچ ناممکن لگ رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ جان توڑ کر دوڑا اور
عین اسی لمحے جب بال زمین پر گر رہی تھی۔ اس نے دایاں
ہاتھ آگے پھیلاتے ہوئے پوری قوت سے جست لگائی تھی۔
وہ زمین پر گرا اور لڑھکنیاں کھاتا دور چلا گیا اور جب کھڑا ہوا
تو گیند اپنے ہاتھ میں دیکھ کر اس کے منہ سے فاتحانہ نعرہ نکل
گیا تھا۔ اس نے ناممکن کیچ لے کر فلائٹ پر اپنی جگہ پکی کر لی
تھی۔

○☆○

یہ حماد کی زندگی کا تیسرا دور تھا۔ اب اسے ساری دنیا
جانتی تھی۔ میڈیا نے دنیا کو بے حد مختصر کر دیا ہے۔ پہلے جو
مقام حاصل کرنے میں کرکٹرز کو سالوں لگ جاتے تھے۔ اب
وہی مقام راتوں رات مل جاتا تھا۔ محض ایک دن میں ساری
دنیا ان سے واقف ہو جاتی تھی۔ نیروبی کینیا میں سری لنکا کے
خلاف ون ڈے سے پہلے شاہد آفریدی کو کون جانتا تھا لیکن
اگلے روز کرکٹ سے دلچسپی رکھنے والا شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو
جو شاہد آفریدی کو نہ جانتا ہو۔ یہ میڈیا کا اعجاز تھا کہ سولہ سالہ
لڑکے کو نہ صرف بچہ بچہ جاننے لگا بلکہ وہ دنیا کے کروڑوں
لوگوں کا محبوب ترین کرکٹر بن گیا۔

ویسٹ انڈیز کے خلاف ٹیسٹ سیریز سے پہلے حماد قومی
سطح پر صرف کرکٹ کے حلقوں میں معروف تھا۔ عوام کی بڑی
تعداد اس سے ناواقف تھی۔ مگر ایک مہینے کے مختصر عرصے
میں آسٹریلیا سے لے کر انگلینڈ تک کرکٹ کھیلنے والے ہر ملک
میں معروف ہو چکا تھا۔ لڑکے اس کے کھیل کے شیدائی تھے تو
لڑکیاں اس کی شخصیت کی دیوانی تھیں۔ تین ٹیسٹ میچوں کی
سیریز میں اس نے چھبیس وکٹیں لے کر کالوں کی کمر توڑ دی
تھی۔ وہ تینوں ٹیسٹ بہ آسانی ہار گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی
ملکی اور بین الاقوامی میڈیا میں حماد کے بارے میں آرا اور
تبصروں کا طوفان آگیا تھا۔ جو ظاہر ہے اس کی تعریف میں
تھے۔ عام آدمی سے لے کر عظیم کرکٹروں نے اسے خراج
تحسین پیش کیا تھا۔ اسے کلیری گریمٹ اور عبدالقادر کے
ساتھ صدی کے تین عظیم ترین لیگ اسپنروں میں شامل کیا
گیا تھا۔ یہ اعزاز اسے شین وارن، انیل کمبلے اور مشتاق
احمد جیسے لیگ اسپنروں کی موجودگی میں دیا گیا تھا بلکہ کچھ
رسائل نے اسے آل ٹائم گریٹ اسپنر قرار دیا تھا۔ جو سست
اور بے جان وکٹوں پر بھی اپنی بالنگ کے جادو سے بلے بازوں
کو مسحور کر دیا تھا۔ اس کی لائن و لینتھ ایک آف اسپنر کی
طرح مثالی تھی۔ وزڈن نے اسے کنگ آف اسپن بالنگ قرار
دیا تھا۔ صرف بالنگ ہی نہیں بیٹنگ میں بھی اس کی کارکردگی
نمایاں تھی۔ دو نصف سنچریوں کی مدد سے اس نے تین اننگ
میں ایک سو باسٹھ رنز بنائے تھے۔

یہ راتوں رات ناقابلِ یقین شہرت حماد کو خواب کی
طرح محسوس ہو رہی تھی۔ ایک وقت تھا کہ وہ صرف محلے کی
حد تک جانا پہچانا جاتا تھا لیکن اب اس کا باہر نکلنا دوبھر ہو گیا
تھا۔ ایک دفعہ وہ طارق روڈ کے شاپنگ سینٹر میں چلا گیا تو اسے
پہچان کر وہاں لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم جمع ہو گیا تھا کہ شاپنگ سینٹر
کی انتظامیہ کو پولیس بلانی پڑی۔ جس نے آکر حماد کو اس ہجوم
سے نکالا۔ اگر وہ کہیں لوگوں میں گھر جاتا تو آٹوگراف دیتے
دیتے اس کے ہاتھ شل ہو جاتے تھے مگر اس کے دیوانے اسے
چھوڑنے یا اس کی معذرت سننے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ تنگ
آکر اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا مگر شیدائی کہاں بخشنے والے
تھے۔ فون کے گھر کی گھنٹی متواتر بجتی رہتی تھی۔ تنگ آکر اس
نے کئی بار فون نمبر تبدیل کروایا مگر لوگ ہر بار نمبر ڈھونڈ
نکالتے تھے۔ وہ فون ریسیو نہیں کرتا تھا۔ ماں یا بہنیں فون
اٹھاتیں جو عموماً کسی لڑکی کا ہوتا تھا۔ جو حماد سے بات کرنے
کے لیے ہر جتن کو تیار ہو جاتیں۔ مثلاً ایک لڑکی نے کہا کہ
اس نے زہر کھا لیا ہے اور مرنے سے پہلے اپنے محبوب کرکٹر
سے بات کرنا چاہتی ہے۔ اس نے کچھ ایسی دردناک آوازیں
نکالیں کہ منزہ نے گھبرا کر حماد کو بلا لیا۔ وہ جان گیا کہ لڑکی فراڈ
کر رہی ہے۔ اس نے کہا۔

"محترمہ، میرے پاس سی ایل آئی ہے اور میں یہ نمبر
پولیس کو دے رہا ہوں۔ اگر آپ بچ گئیں تو مجھے امید ہے کہ
خودکشی کرنے کے الزام میں تھانے ضرور جائیں گی۔"

لڑکی گھبرا گئی اور اس نے سچ اگل دیا کہ اس نے کوئی زہر
نہیں پیا تھا۔ صرف حماد سے بات کرنے کے لیے یہ ڈراما
کر رہی تھی۔ مجبور ہو کر حماد نے فون کٹوا کر دو موبائل فون
لے لیے۔ ایک اپنے اور ایک گھر والوں کے لیے۔ اس کے
بعد ڈاک کا معاملہ آتا تھا۔ روزانہ بے شمار خطوط ملتے تھے۔
جن میں اس سے جواب، آٹوگراف یا تصاویر کی فرمائش ہوتی
تھی۔ ظاہر ہے اس کے لیے یہ سب ناممکن تھا۔ لہٰذا تھیلا بھر
کر یہ خطوط کچرے میں جاتے تھے۔

اطہر بے حد خوش تھا۔ اس نے شمائلہ کو حماد کے لیے
راضی کر لیا تھا۔ پہلے تو شمائلہ راضی نہیں تھی کیونکہ شفقت
علی کی نظروں میں منیب اختر لیلی کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ وہ
ایک کروڑ پتی باپ کا بیٹا تھا اور عن قریب قومی ٹیم میں آنے

والا تھا۔ اس کا آسٹریلیا کا ٹور بھی کامیاب رہا تھا۔ وہ اچھا کھلاڑی تھا مگر حماد غیر معمولی کھلاڑی تھا اور اب اس کا تابناک مستقبل ایک اندھے کو بھی صاف نظر آرہا تھا۔ کمرشلائز ہونے کے بعد کرکٹ میں بے تحاشا پیسا آگیا تھا۔ نہ صرف میچ فیس اور انعامی رقوم میں غیر معمولی اضافہ ہوا تھا۔ بلکہ اسپانسرشپ سے بھی کھلاڑیوں کو بڑی رقوم ملتی تھیں۔ اس کے علاوہ ایڈ الگ تھے۔ بعض کھلاڑیوں نے ایک اشتہار میں کام کرنے کے لاکھوں وصول کیے تھے۔ خود حماد کو بھی مختلف کمپنیوں کی طرف سے پیشکشیں آرہی تھیں۔ وہ اپنی مصنوعات کی تشہیر کے لیے اسے استعمال کرنا چاہتی تھیں بلکہ ایک سافٹ ڈرنک بنانے والی انٹرنیشنل کمپنی نے اسے مستقل بنیادوں پر معاہدے کی پیشکش کی تھی۔ حماد نے ان سب سے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ شارجہ سے واپسی کے بعد ہی اس بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔

اب شفقت علی اور شائلہ کی نظر میں حماد، لیلی کے لیے موزوں امیدوار بن گیا تھا۔ لہٰذا لیلی نے حماد کو گرین سگنل دے دیا اور ایک شام وہ اور لیلی منگنی کے بندھن میں بندھ گئے۔ حماد خوش تھا لیکن لیلی بہت زیادہ خوش تھی۔ جب سے حماد مشہور ہوا تھا۔ تب سے اسے ڈر لگنے لگا تھا۔ دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکیاں تھیں۔ اس سے کئی گنا زیادہ حسین۔ ان میں اداکارائیں بھی تھیں اور ماڈل گرل بھی جو حماد کے ایک اشارے پر کھنچی چلی آتیں۔ وہ اسے خوش کرنے کے لیے وہ سب کچھ کرسکتی تھیں۔ جس سے لیلی نے ہمیشہ گریز کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ مرد خطا کا پتلا ہے اور وہ چاہے تو ایک آدھ خطا سے بچ سکتا ہے لیکن جب چاروں طرف سے یلغار ہو تو کون کب تک خود کو بچا سکتا ہے اور خاص طور سے جب کھلاڑی غیر ملک میں ہوں۔ انڈیا، یا گوروں کے ملک میں جہاں سب کچھ کرنے کی کھلی آزادی میسر ہے اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔ تبھی پاکستانی کھلاڑی بہانے بہانے سے انگلینڈ کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ وہاں انہیں کھل کر عیاشی کرنے سے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہاں گوری میمیں بلا تکلف ان سے گلے مل سکتی ہیں اور یہاں وہ بے چارے لڑکیوں سے ہاتھ بھی نہیں ملا سکتے۔ کم از کم سرِعام ایسا نہیں کرسکتے۔ وہ یہاں پارسا بن کر رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کئی ایک کھلاڑی پینے پلانے کے شوق بھی رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے جب بیرون ملک انہیں نہ صرف مواقع بلکہ شراب بھی میسر ہو تو کون کب تک انکار کرے۔ وہ منظر ساری قوم نے ٹی وی پر دیکھا جب انگلستان میں ایک سابقہ کپتان کو سیریز جیتنے پر روایتی طور پر وائن کی بوتل پیش کی اور اس نے یہ بوتل فاتحانہ انداز میں لہرا کر سب کو دکھائی تھی۔

منگنی کے بعد کچھ دن لیلی خوش رہی تھی لیکن پھر اندیشے سر اٹھانے لگے۔ اس نے شادی شدہ کرکٹروں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ جبکہ حماد کی تو صرف منگنی ہوئی تھی۔ لہٰذا اس نے حماد سے ملنے کو کہا۔ منگنی کے بعد ان کا باہر ملنا ممنوع ہوگیا تھا۔ حماد اس کی سہیلی کے گھر پہنچ گیا۔ جہاں لیلی نے اسے بلایا تھا۔

"خیریت ابھی چند دن پہلے ہی تو ہم ملے تھے۔" حماد کے لہجے میں شرارت تھی جسے محسوس کرکے لیلی جھینپ گئی۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"خادم ہمہ تن گوش ہے۔"

"میں سنجیدہ ہوں حماد۔" لیلی کہتے کہتے رک کر اپنی انگلیاں مروڑنے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا "دیکھو تم پہلی بار ملک سے باہر جارہے ہو۔ مجھ سے دو وعدے کرو۔"

"جانے بغیر وعدے کیسے کرسکتا ہوں۔"

"ایک تو یہ کہ تم ڈرنک نہیں کرو گے۔"

"استغفراللہ۔" حماد کے منہ سے نکلا "اس شے سے مجھے نفرت ہے۔"

"اور دوسرے تم کسی لڑکی سے۔"

حماد نے بے ساختہ قہقہہ لگایا "تو یہ ہے اصل بات۔ تمہارا اصل مسئلہ یہی ہے۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔" لیلی خفگی سے بولی "میں جانتی ہوں کہ یہ کھلاڑی باہر جاکر کن حرکتوں میں لگ جاتے ہیں یہ سب بدمعاش تو نہیں ہیں۔ ماحول کا اثر بھی تو ہوتا ہے۔"

"شارجہ میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بہرحال تم چاہتی کیا ہو۔ میں کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں۔ جہاں کوئی لڑکی نظر آئے آنکھ بند کرلیا کروں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ دیکھو، لڑکیاں کھلاڑیوں کے پیچھے بھاگتی ہیں۔"

"لڑکیاں یہاں بھی میرے پیچھے بھاگتی ہیں۔ اب تمہیں کیا کیا بتاؤں۔ چھوڑو تم بلاوجہ اپنا خون جلاتی رہو گی اور یہ بات یاد رکھو۔ میں نے تمہیں دھوکا دینا ہے تو اندر یا باہر سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہاں بھی میں یہ سب کرسکتا ہوں۔ ویسے بائی دی وے ڈرنک تو تمہارے پاپا بھی کرتے ہیں۔"

"یہ ممی کا مسئلہ ہے۔ میرا مسئلہ تم ہو۔" لیلی نے حماد کو لاجواب کرتے ہوئے کہا "تم نے ابھی تک وعدہ نہیں کیا۔"

"وعدہ بابا۔ پکا وعدہ۔"
اس سے اگلے روز ٹیم شارجہ کے لیے جا رہی تھی۔ جہاں چار فریقی ڈے اینڈ نائٹ ٹورنامنٹ ہونا تھا۔ پاکستان کے علاوہ بھارت، سری لنکا اور یو اے ای کی ٹیمیں بھی شامل تھیں۔ پاکستان کا پہلا میچ ہفتے کے دن بھارت سے تھا پھر پیر کو سری لنکا سے اور آخری میچ بدھ کو یو اے ای سے تھا۔ ائر پورٹ پر امی اور بہنوں کے ساتھ لیلی اور اطہر وقار بھی اسے سی آف کرنے آئے تھے۔ لیلی تھوڑی سی اداس تھی لیکن اس نے موقع پا کر حماد کے کان میں کہہ دیا۔
"میں اور پاپا پرسوں شارجہ آ رہے ہیں۔"
"سچ مچ۔" حماد حیرت سے بولا۔
"ہاں، میں نے بہت اصرار کیا تو پاپا مانے۔ ہم فائنل تک وہیں رہیں گے۔"
"اس سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔" حماد شرارت سے بولا۔
"اسٹیڈیم میں تمہارے دو فینز کا اضافہ ہو جائے گا۔"
"مجھے فینز کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ان کی کوئی کمی نہیں ہے۔"
"تو پھر...."
"تم مجھ سے ملنے آؤ گی؟"
لیلی کا منہ لٹک گیا "نہیں۔ پاپا اسی شرط پر تو لے جا رہے ہیں کہ میں تمہیں بالکل ڈسٹرب نہیں کروں گی۔"
"میں قطعی ڈسٹرب نہیں ہوں گا۔" حماد جلدی سے بولا۔
"یہ تم پاپا کو بتاؤ۔" لیلی نے شرارت سے اطہر کی طرف دیکھا۔
کچھ دیر بعد حماد دیگر ساتھیوں کے ہمراہ ڈیپارچر کی طرف جا رہا تھا۔ ٹیم میں اکثریت نوجوانوں کی کھلاڑیوں کی تھی کیونکہ کئی سینیئر کھلاڑی نجی مصروفیات کی وجہ سے شارجہ نہیں جا رہے تھے۔ میڈیا نے اسے ایک کمزور ٹیم قرار دیا تھا۔ مگر سلیکٹرز اور ٹیم منیجر نے دعویٰ کیا تھا کہ ٹیم شارجہ میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرے گی اور کم سے کم فائنل تک رسائی ضرور حاصل کرے گی۔ جب کہ ماہرین سری لنکا اور بھارت کو فائنل کے لیے فیورٹ قرار دے رہے تھے۔ پاکستانی کپتان نے کوئی پیش گوئی کرنے سے انکار کرتے ہوئے صحافیوں سے میچوں کا انتظار کرنے کو کہا تھا۔
"جلد ہماری کارکردگی آپ کے سامنے ہوگی۔" کپتان نے کہا۔
"ان ناتجربے کار کھلاڑیوں سے آپ سری لنکا اور بھارت کی تجربے کار ٹیموں کو شکست دے سکیں گے۔" ایک صحافی سے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"میں نے کہا ناں آپ کو ذرا انتظار کرنا پڑے گا۔ ویسے ہم اپنی بہترین کوشش کریں گے۔" کپتان نے تحمل سے کہا۔
"شارجہ کے حوالے سے پچھلے کچھ عرصے سے سٹے بازی اور میچ فکسنگ کا جو تعلق جوڑا جا رہا ہے اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟" اس صحافی سے پوچھا۔
"صرف اتنا کہ ہم اس میں ملوث نہیں رہے۔" کپتان نے کہا۔
"کیا واقعی کسی سٹے باز نے کبھی کسی پاکستانی کھلاڑی سے رابطہ نہیں کیا۔" صحافی کے لہجے کی چبھن بڑھ گئی۔
کپتان نے اپنے اشتعال کو دبا کر کہا "میری حد تک اس سوال کا جواب نہیں ہے۔ البتہ کسی دوسرے کھلاڑی سے ایسا رابطہ ہوا ہے تو میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ میں نے کسی کھلاڑی کو جان بوجھ کر خراب کارکردگی کا مظاہرہ کرتے نہیں دیکھا۔"
اس سے پہلے مزید کوئی اور سوال کیا جاتا۔ ٹیم منیجر نے فلائٹ روانگی کا حوالہ دے کر پریس کانفرنس کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ حماد نے اس صحافی کو اپنے ساتھی کو کہتے سنا "سالے جانتے سب ہیں۔ لیکن منہ سے کچھ نہیں کہتے۔"
حماد کو غصہ آ گیا "مائنڈ یور لینگویج۔" اس نے صحافی سے کہا "آپ کرکٹرز کو گالی دے رہے ہیں۔"
"میں نے آپ کو تو کچھ نہیں کہا۔" وہ بولا۔
"کیسے نہیں کہا آپ نے کرکٹ کو گالی دی اور میں بھی کھلاڑی ہوں۔ اگر میں کسی ایک صحافی کو کچھ کہوں تو اسے سب کے خلاف نہیں سمجھا جائے گا۔" اس کے سوال پر دونوں کو چپ لگ گئی۔ اسی لمحے کسی نے حماد کا کندھا ہلایا۔ یہ ٹیم کا سینیئر بلے باز تھا۔
"ان کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ کل کے اخبار میں یہ بات کا بتنگڑ بنا کر پیش کریں گے۔"
حماد آگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ ٹنل کے راستے طیارے میں جا رہے تھے۔

○☆○

ایک زمانہ تھا جب شارجہ میں کرکٹ کے انعقاد کو دیوانے کی بڑ کہا جاتا تھا۔ لوگ مذاق اڑاتے تھے "پاگل ہوئے ہیں یہاں گھاس تو اگتی نہیں ہے۔ تو کیا ریت پر کرکٹ کھلائیں گے اور گرمی اللہ کی پناہ۔ لوگوں کی جان حلق میں آ جاتی ہے۔ کھلاڑی کیسے یہ تپش برداشت کریں گے؟ لیکن

دنیا نے دیکھا کہ شارجہ میں اسٹیڈیم بھی بنا اور گراؤنڈ پر ریشمی گھاس بھی اگائی گئی اور جب کھلاڑیوں کو انعامی رقوم اور تحائف ملنے لگے تو ان میں گرمی کی برداشت بھی پیدا ہوگئی۔ اعتراض کرنے والے بھول گئے تھے کہ اسی پاکستان اور بھارت کے لوگ وہاں جاکر سارے سال شدید گرمی میں کرکٹ کھیلنے سے کہیں زیادہ پر مشقت کام کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ گلشن نکھرتا چلا گیا۔ دونوں ممالک اور خاص طور سے پاکستان کی اس میدان سے بے حد خوشگوار یادیں وابستہ تھیں۔ آخری بال پر میاں داد کے چھکے یا وسیم اکرم کی دو ہیٹ ٹرکوں کو کون بھول سکتا ہے۔ مگر ۱۹۹۰ء میں خلیج کی جنگ جہاں عراق کے لیے تباہی کا پیغام لائی وہیں خلیجی ممالک کی اقتصادیات جدید تاریخ میں پہلی بار زبوں حالی کو پہنچ گئی۔ کمر توڑ جنگی اخراجات نے دنیا کی ان امیر ترین ریاستوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے باشندوں پر ٹیکس لگائیں۔ کیا خوب پالیسی تھی۔ مسلمان کا گلا کاٹنے پر جو اخراجات آئیں انہیں مسلمانوں کی جیب سے نکلوایا جائے۔ اقتصادی خرابی کا اثر ہر شعبے پر پڑا اور مثالی نظم و ضبط متاثر ہونے لگا۔ کرپشن فروغ پانے لگا۔ غیر ملکی کارکنوں کے معاوضوں میں کمی ہوئی۔ اس سے یو اے ای کی فری پورٹ پر برا اثر پڑا تھا۔ متعدد تاجر اپنا کاروبار بند کرنے یا کم کرنے پر مجبور ہوگئے۔

اقتصادی بدحالی نے مقامی آبادی پر بھی برا اثر ڈالا تھا۔ راتوں رات امیر بننے کا رجحان پروان چڑھنے لگا جس سے سٹے بازی کو فروغ ملا۔ جلد دبئی دنیا میں سٹے بازی کا سب سے بڑا اور منظم مرکز بن گیا۔ اب یہ حال ہے کہ اس بدکاروبار میں سالانہ اربوں ڈالر لگائے جاتے ہیں۔ دنیا بھر سے کالا سرمایہ یہاں سے منتقل ہونے لگا اور سٹہ مافیا طاقت ور سے طاقت ور ہوتی چلی گئی۔ پہلے جو کام وہ چھپ کر کرتی تھی اور کھلے عام ہونے لگے۔ کھیلوں میں سٹے بازی کا عنصر لازمی شے ہے۔ آسٹریلیا اور انگلینڈ میں برسوں سے کرکٹ میچوں پر سٹہ کھیلا جارہا ہے لیکن یہ ایک باضابطہ نظام کے اندر رہ کر کھیلا جاتا ہے اور رقم بھی ایک حد سے تجاوز نہیں کرتی جو محض چند ہزار ڈالرز یا پاؤنڈز پر مشتمل ہوتی ہے لیکن جب یہ کھیل شیخوں کے ہاتھ لگا تو انہوں نے اپنی فطرت کے مطابق اس پر دل کھول کر رقم لگائی اور ایک ایک فرد کروڑوں کی رقم لگانے سے لگا۔ اس سے سٹہ مافیا میں رجحان پیدا ہوا کہ وہ میچوں سے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کریں۔

کھلاڑیوں کو خریدنے کے لیے رقم کی پیشکشیں ہوئیں۔ انتظامیہ یا امپائروں کو خریدا گیا۔ پھر معاملہ شارجہ سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گیا۔ سٹے بازی کا عفریت ہر جگہ اپنے پاؤں پھیلاتا جارہا تھا۔ گزشتہ تین ورلڈ کپ میچوں میں سے کئی میچوں کو فکس قرار دیا گیا۔ یہ وہ میچ تھے جن میں سے بے حد کمزور ٹیموں نے مخالف اور طاقت ور ٹیموں کو ہرا دیا۔ ۱۹۹۲ء میں زمبابوے نے انگلینڈ کو ہرایا۔ ۱۹۹۶ء میں کینیا نے ویسٹ انڈیز کو شکست سے دوچار کیا اور ۱۹۹۹ء میں بنگلہ دیش نے پاکستان کو ہرا دیا۔ ان میچوں کو فکس قرار دیا جارہا تھا۔ مگر ان ٹیموں نے ہمیشہ اس کی تردید کرتے ہوئے اپنی شکست کو اتفاق قرار دیا۔

یہ سب باتیں حماد کے ذہن میں تھیں اور وہ فیصلہ نہیں کرپاتا تھا کہ میڈیا سچ کہہ رہا ہے کہ ٹیمیں اور کھلاڑی سٹے بازی اور میچ فکسنگ میں ملوث ہیں یا کھلاڑی جو اس الزام کی تردید کرتے ہیں۔ سلیم ملک کا معاملہ سب کے سامنے تھا مگر عدالتی رپورٹ خفیہ رکھی گئی۔ آسٹریلیا کے کھلاڑیوں پر سٹے بازی اور رقم لینے کے الزامات لگے۔ اس کے بعد کئی پاکستان کپتانوں پر یہی الزام لگا۔ بھارت کے کئی کرکٹرز بھی اس کی زد میں آئے اور پھر جنوبی افریقہ کے ہنسی کرونئے کے اسکینڈل نے تو پوری دنیائے کرکٹ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ گورے جو کالے کھلاڑیوں پر الزام لگاتے نہیں تھکتے تھے۔ ان کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ پہلی بار حماد کو احساس ہوا کہ کرکٹ ایک دلدل میں اتر چکی ہے جو بے حد بدبودار بھی ہے اور اب جبکہ وہ خود انٹرنیشنل کرکٹ کا ایک حصہ تھا یہ احساس شدید تر ہوگیا تھا۔ شارجہ پہنچ کر انہوں نے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں قیام کیا تھا اور حماد کو تعجب ہوا جب اس نے دیکھا کہ کمروں میں فون نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ پاکستانی منیجر کی درخواست پر کرکٹرز کے کمرے سے فون ہٹا دیے گئے تھے۔ ان پر موبائل رکھنے کی پابندی تھی۔ تاکہ کوئی غیر متعلقہ شخص ان سے رابطہ نہ کرسکے۔ اس پر حماد کے روم میٹ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"احمق ہیں یہ! اگر یہ سمجھتے ہیں کہ فون ہٹانے سے سب ٹھیک ہوجائے گا۔ کرنے والے سب کرجائیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔" وہ پہلے بھی شارجہ آچکا تھا اور اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کی پشت پر خان فیملی تھی اسی وجہ سے وہ کسی خاص کارکردگی کے بغیر کئی سال سے ٹیم کا حصہ بنا ہوا تھا۔

"کیا مطلب؟" حماد چونکا۔

"مطلب تم خود سمجھ جاؤ گے اگر کچھ عرصے ٹیم میں رہے تو۔" اس نے ہنس کر کہا تھا۔

شارجہ پہنچنے کے بعد حماد نے شام کو ٹیم کے ساتھ اسٹیڈیم سے باہر پچوں پر نیٹ پریکٹس کی۔ اس نے محسوس کیا کہ عام افراد کو کھلاڑیوں تک آنے سے روکنے کے لیے خاص انتظامات کیے گئے تھے۔ کئی پولیس والے جنہیں شرطے کہا جاتا ہے۔ مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے اور جب ایک نوجوان انہیں جل دے کر کھلاڑیوں تک آنے کی کوشش کر رہا تھا تو انہوں نے اسے کامیابی سے روکا اور پکڑ کر باہر لے گئے۔ اگلے روز پریکٹس سیشن کے بعد ٹیم میٹنگ ہوئی جس میں کل کے میچ کا جائزہ لیا گیا کیونکہ میچ ڈے اینڈ نائٹ تھا اور موسم بھی خاصا سرد تھا لہٰذا چار فاسٹ بالروں کے ساتھ ایک اسپنر کھلانے کا فیصلہ کیا۔ چار کے علاوہ ٹیم میں ایک اور نوجوان لیگ اسپنر اور ایک آف اسپنر تھا۔ حماد کو امید تو نہیں تھی کہ آف اسپنر کے مقابلے میں اسے منتخب کیا جائے گا لیکن اسے حیرت ہوئی جب شام کو کپتان نے بتایا کہ وہ کل والے میچ میں کھیل رہا تھا۔ یعنی کل اس کا ون ڈے ڈیبو تھا۔ اس کا انتخاب اسی وجہ سے بھی کیا گیا تھا کہ ٹیم میں کل پانچ بلے باز تھے۔ وکٹ کیپر کے علاوہ ایک آل راؤنڈر تھا گویا اسے بیٹنگ مضبوط بنانے کے لیے ٹیم میں شامل کیا گیا تھا۔

جس روز ڈے اینڈ نائٹ میچ ہوتا تھا کھلاڑیوں کو صبح دیر تک سونے کی اجازت ہوتی تھی۔ حماد صبح نو بجے اٹھا تو ہوٹل کا ایک ویٹر اس کے لیے بوکے اور ایک کارڈ لے کر آیا۔ بوکے اور کارڈ لیلیٰ کی جانب سے تھے۔ اس نے حماد کو ون ڈے کھیلنے کی مبارک دینے کے ساتھ کارڈ پر ایک عدد فون نمبر لکھا تھا۔ جس کے نیچے تحریر تھا "میں انتظار کروں گی صرف تمہاری۔" حماد نے کارڈ چوما اور نہانے کے لیے واش روم میں چلا گیا۔ جب وہ نہا کر آیا تو اس کا ساتھی بے تکلفی سے کارڈ پڑھ رہا تھا۔ حماد کو غصہ آیا مگر وہ نرمی سے بولا۔

"یہ ذاتی ہے۔"

"چھوڑ یار۔ ایسے ہی ذاتی پیغامات روز ہمیں بھی ملتے ہیں۔" وہ بے پروائی سے بولا اور کارڈ ایک طرف ڈال دیا۔

"یہ کسی کی طرف سے نہیں بلکہ میری منگیتر کی طرف سے ہے۔" حماد نے کارڈ اپنی الماری میں رکھ دیا۔

"اوہ سوری۔ خیر یہ بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے۔ سوئمنگ پول چلنا ہے۔" وہ آنکھ مار کر بولا۔

"شکریہ۔" حماد ہنس دیا "مجھے معاف رکھو۔ میں صرف باتھ روم میں غسل کا عادی ہوں۔"

"تمہاری مرضی۔" وہ اٹھا اور تولیہ اور نہانے کا لباس لے کر ہوٹل کے سوئمنگ پول کی طرف چلا گیا۔ حماد نے ناشتا منگوایا۔ ناشتا کر کے وہ باہر نکلا تو کپتان نظر آ گیا "ایسا کرو ناشتے کے لیے میرے کمرے میں آجاؤ۔"

"شکریہ کیپٹن میں ناشتا کر چکا ہوں۔"

"گڈ اس کا مطلب ہے تم جلدی اٹھنے کے عادی ہو۔"

"میں آپ کے پاس آ رہا تھا۔ دراصل میں ذرا باہر گھومنے کے لیے جانا چاہ رہا ہوں۔"

"اکیلے یا کوئی اور بھی ہے؟"

"اکیلے ہی جناب۔"

"ٹھیک ہے چلے جاؤ۔ مگر بارہ بجے سے پہلے آجانا۔ بارہ بجے اسٹیڈیم کے روانگی ہوگی۔"

حماد باہر نکلا اور اس نے سب سے پہلے ایک فون بوتھ تلاش کیا۔ فون کارڈ اسے قریبی دکان سے مل گیا تھا۔ اس نے لیلیٰ کا دیا ہوا نمبر ڈائل کیا۔ وہ کسی ہوٹل میں ٹھہری تھی۔ حماد کی آواز سنتے ہی وہ چہکی۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں بوکے مل گیا۔"

"مل گیا اور بہت اچھا لگا۔" حماد نے کہا "لیلیٰ جان! تم چند لمحوں کے لیے مجھ سے نہیں مل سکتیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی "سنو پاپا اپنے کسی دوست سے ملنے گئے ہیں لیکن میں سر درد کے بہانے ٹھہر گئی ہوں۔ پاپا شاید کچھ دیر میں آجائیں۔ میں شارجہ شاپنگ سینٹر آجاتی ہوں۔ تم بھی وہیں آجاؤ۔ محرابی دروازے کے پاس کھڑے ہونا۔"

ریسیور رکھ کر حماد نے پاس سے گزرتی ایک ٹیکسی کو روک لیا۔

○☆○

بھارت کے خلاف میچ پاکستان نے خلافِ توقع بہ آسانی جیت لیا۔ پاکستان نے پہلے بیٹنگ کی اور افتتاحی بلے بازوں کی برق رفتار بیٹنگ کے باعث بھارت کو دو سو چونسٹھ رنز کا بڑا ہدف دیا۔ اس کے بعد پاکستان کے ناتجربے کار بالروں نے شاندار بالنگ کرائی خاص طور پر فاسٹ بالنگ کرانے والے آل راؤنڈر نے ابتدا میں تین اہم وکٹیں لے کر بھارتی بیٹنگ لائن کی کمر توڑ دی تھی۔ حماد اپنے ون ڈے کیریئر کا آغاز اس دھماکا خیز انداز میں نہ کر سکا۔ جیسے اس نے فرسٹ کلاس اور ٹیسٹ کیریئر کا کیا تھا۔ اس نے دس اوورز میں اکتالیس رنز دے کر صرف ایک وکٹ لی۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ بھارتی بلے باز اسپنروں کو کھیلنے کے ہمیشہ سے ماہر سمجھے جاتے ہیں اور بیٹنگ میں اس نے ناٹ آؤٹ رہتے ہوئے بارہ رنز

بنائے تھے۔ جس میں ایک زوردار چھکا بھی شامل تھا اور ٹیم یہ میچ بہتر رنز کے واضح فرق سے جیت گئی تھی۔

بھارت کے خلاف آسان فتح نے ٹیم کا مورال بلند کردیا تھا اور مبصر جو بھارت اور سری لنکا کو فیورٹ قرار دے رہے تھے۔ اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوگئے تھے اور اب پاکستان فائنل کے لیے فیورٹ قرار دیا جارہا تھا۔ اگلے روز سری لنکا نے یو اے ای کو بہ آسانی دس وکٹوں سے ہرا دیا تھا۔ اب اس کا میچ پاکستان سے تھا۔ میچ کے لیے وہی ٹیم برقرار رکھی گئی تھی۔ جس نے بھارت کو شکست دی تھی۔ میچ سے پہلے پریکٹس کرتے ہوئے کپتان نے حماد سے کہا۔

"آج تم نمبر سات پر کھیلو گے۔ کل تم نے اچھی بیٹنگ کی تھی۔"

اس دفعہ بھی ٹاس پاکستان نے جیتا اور پہلے بیٹنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حسب معمول ابتدائی بلے باز ناکام رہے اور دس اوور میں صرف اکتالیس رنز پر دونوں اوپنر پویلین لوٹ چکے تھے۔ اس موقع پر مڈل آرڈر بلے بازوں نے اننگ کو سہارا دیا لیکن سری لنکن اسپنرز نے عمدہ لائن و لینتھ سے بالنگ کی اور اسکور تیس اوورز میں چار وکٹوں پر صرف ایک سو اٹھارہ رنز تھا۔ کپتان کے ساتھ آل راؤنڈر کھیل رہا تھا۔ چونتیسویں اوور میں کپتان بھی آؤٹ ہوا تو حماد وکٹ کی طرف چلا۔ اسکور ایک سو پینتیس تھا اور اوسط چار کے پاس تھی۔ آل راؤنڈر نے حماد سے کہا۔

"تم کوشش کرو کہ اسٹرائک میرے پاس رہے۔"

خود حماد کے ذہن میں بھی یہی تھا۔ وہ خاصی دیر سے کھیل رہا تھا اور وکٹ پر پوری طرح سیٹ ہوچکا تھا۔ جس کا ثبوت اس نے اگلے ہی اوور میں دو چوکے مار کر دیا۔ چالیس اوور تک اسکور ایک سو ستر ہوچکا تھا مگر اکتالیسویں اوور کی پہلی ہی بال پر آل راؤنڈ آؤٹ ہوگیا۔ اب آنے والوں میں کوئی بلے باز نہیں تھا۔ حماد سترہ رنز پر کھیل رہا تھا۔ لہٰذا اس نے اسٹرائک اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس اوور کی آخری بال اس نے تھرڈ مین کی جانب کھیلی تاکہ سنگل لے سکے اور چوکا ہوگیا۔ اب نئے آنے والے کو سری لنکا کے خطرناک ترین آف اسپنر کا سامنا کرنا تھا جو اپنا آخری اوور کرا رہا تھا۔ حماد نے اسے سمجھایا کہ رسک لینے کے بجائے آرام سے کھیل کر اوور گزار دے مگر سو سے زائد ون ڈے کھیلنے والے فاسٹ بالر کو شاید ایک نئے کھلاڑی کا مشورہ ناگوار گزرا تھا۔ لہٰذا اس نے جارحانہ انداز میں آف اسپنر کو کھیلا پہلے ایک چھکا اور پھر ایک خوش قسمتی کا چوکا لگایا۔ بال بلے سے لگ کر وکٹوں کے بالکل پاس سے ہوتی۔ فائن لیگ باؤنڈری کے باہر چلی گئی اور تیسری بال پر ایک بار پھر چھکا لگانے کی کوشش میں وہ اسٹمپڈ ہوگیا۔ حماد بے بسی سے آہ بھر کر رہ گیا۔ یہ کھلاڑی تو تھوڑی بہت بیٹنگ جانتا تھا۔ آنے والے دونوں بلے باز اس میں صفر سے کچھ ہی بہتر تھے اور وہ وکٹ پر کھڑے ہی ہوجاتے تو بڑی بات تھی۔ آٹھ وکٹیں گر چکیں تھیں اور ابھی پورے آٹھ اوور سے زیادہ باقی تھے۔ خوش قسمتی سے نئے کھلاڑی کی سمجھ میں حماد کی بات آگئی اور اس نے آف اسپنر کی باقی بالیں احتیاط سے روک کر کھیل لیں۔ اگلے اوور میں حماد نے ایک کور ڈرائیو کیا اور بال گولی کی طرح مڈ آف پار کرگئی۔ ایک دفعہ دو رنز لیے اور پھر آخری بال پر سنگل لے کر اسٹرائک اپنے پاس ہی رکھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ کوئی رسکی شاٹ نہیں کھیلے گا اور ہر صورت آخر تک ناٹ آؤٹ رہے گا۔ چوالیسویں اوور میں صرف تین رنز بنے لیکن اسٹرائک ایک بار پھر حماد کے پاس ہی رہا۔ پینتالیسویں اوور کی چوتھی بال جو خاصی شارٹ تھی اس نے اٹھا کر مڈ وکٹ کی طرف کھیلا۔ وہاں باؤنڈری پر کھلاڑی موجود تھا۔ ایک لمحے کو ایسا لگا کہ وہ گیند کیچ کرے گا لیکن بالآخر بال باؤنڈری سے باہر جاگری۔ پانچویں بال پر سنگل لے کر وہ ایک بار پھر بالنگ کے سامنے رہا۔ پاکستان کے دو سو رنز مکمل ہوگئے اور ابھی پانچ اوور باقی تھے۔

کمنٹیٹر اس نوجوان کھلاڑی کی تعریفوں میں مصروف تھے جو نازک موقع پر نہایت تجربے کار بالنگ کے سامنے یادگار اننگ کھیل رہا تھا۔ اس کا ٹمپرامنٹ مثالی تھا اور وہ کوئی غیر ضروری شاٹ نہیں کھیل رہا تھا اور اس نے اپنے ساتھی کو اب تک کامیابی سے بالروں سے بچائے رکھا تھا۔ سری لنکا کا کپتان اپنے فاسٹ بالروں کو لے آیا تھا۔ حماد کو پہلی بال پیروں کے سامنے ملی اور اس نے گیند کو بالر کے سر کے اوپر سے کھیل دیا۔ لانگ آف کا کھلاڑی جان توڑ کوشش کے باوجود گیند نہیں روک سکا تھا۔ بالر نے حماد کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ اگلی بال اس نے پر فریب سلوون بال کر کرائی۔ اس کے ہاتھ سے بال نکلتے ہی حماد کو اس کی چالاکی کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر گیند کو فل ٹاس بنایا اور مڈ وکٹ کے اوپر سے کھیل دیا۔ یہ مسلسل دوسرا چوکا تھا۔ اب حماد چھیالیس رنز پر تھا۔ اور کل اسکور دو سو نو تھا۔ اسی اوور کی پانچویں گیند کو اس نے کٹ کیا اور گیند پوائنٹ کے پاس سے ہوتی باؤنڈری لائن پار کرگئی۔ اس کی ففٹی مکمل ہوگئی تھی۔ یہ ایک شان دار اننگ تھی۔ مگر وہ آخری بال پر

رن نہ لے سکا اور دوسرے بلے باز نے اگلے اوور کی تین بالیں
ضائع کرنے کے بعد بمشکل چوتھی بال پر سنگل لیا۔ پانچویں
بال حماد نے ایک بار پھر بالر کے اوپر سے کھیلی جو سائڈ
اسکرین سے جا ٹکرائی یہ حماد کا دوسرا چھکا تھا۔ مگر آخری بال
پر وہ کوشش کے باوجود سنگل نہ لے سکا۔ اسکور دو سو بیس تھا
اور تین اوور باقی رہ گئے۔ تماشائی پوری دلچسپی سے حماد کی
بیٹنگ دیکھ رہے۔ وہ جب بھی کوئی شاٹ کھیلتا چاروں طرف
سبز ہلالی پرچم لہرانے لگتے تھے۔

"آپ نے ہر قیمت پر پہلی بال پر سنگل لینا ہے۔" حماد
نے اپنے ساتھی کو آگاہ کیا "بہتر ہوگا کہ بال روک کر بھاگ
کھڑے ہوں۔"

حماد کے ذہن میں ڈھائی سو کا ہدف تھا لیکن اس کے لیے
ضروری تھا کہ اسٹرائک اس کے پاس ہو۔ اس کے ساتھی
نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور بال روکتے ہی بھاگ کھڑا
ہوا۔ حماد پہلے ہی نصف وکٹ تک پہنچ گیا۔ بدقسمتی سے گیند
سیدھی پوائنٹ پر کھڑے فیلڈر کے ہاتھ میں جا پہنچی اور اس
نے گیند بالنگ اینڈ کی طرف تھرو کی۔ گیند سیدھی وکٹوں سے
لگی جبکہ حماد کا ساتھی کریز سے ایک گز پیچھے تھا۔ امپائر نے
تھرڈ امپائر کو دینے کے بجائے فیصلہ خود سنا دیا۔ حماد بے بسی
سے سر جھٹک کر رہ گیا۔ اب صرف ایک وکٹ باقی رہ گئی تھی
اور وہ آخری بال تک کھیلنا چاہتا تھا۔

اگلی بال اس نے مڈ آف پر کھیلی اور بھاگ کر دو رنز
بنالیے۔ چوتھی بال کو اسکوائر لیگ کی طرف کھیلا اور پھر دو
رن بنائے۔ پانچویں بال کو کٹ کیا اور اس بار کوئی کھلاڑی
بال کو نہ چھو سکا۔ آخری بال اس نے تھرڈ مین کی طرف نکال
کر اسٹرائک پر اپنے پاس رکھا۔ اچانک اس نے اپنا ذہن
بدل دیا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ وکٹ بیٹنگ کے لیے آسان تھی۔
خود اسے اب تک اسٹروک کھیلنے میں کوئی دشواری پیش نہیں
آئی تھی۔ اس وکٹ پر درحقیقت ڈھائی سو کا ہدف زیادہ نہیں
تھا اور سری لنکا کی بیٹنگ نہایت مضبوط تھی۔ اس کے پاس
آٹھ نمبر تک مستند بلے باز تھے۔

حماد کے سامنے سری لنکا کا سب سے تجربے کار فاسٹ
بالر تھا۔ حماد نے اس کی پہلی بال کو وکٹ سے آگے آتے
ہوئے لیگ سائیڈ کھیلا اور گیند اسکوائر لیگ پر باؤنڈری پار
کرگئی۔ یہ پہلا غیر نصابی شاٹ تھا جو اس نے کھیلا تھا۔ اگلی
بال پر فیکٹ گڈ لینتھ حماد کا بلا پھر حرکت میں آیا اور گیند
ایک بار پھر پوائنٹ پر اشتہاری بورڈ سے جا ٹکرائی تھی۔ ان
دو چوکوں نے تماشائیوں کو دیوانہ کردیا تھا۔ سری لنکن کپتان
اپنے بالر سے بات کرنے لگا۔ اس کی ہدایات لے کر بالر اگلی
گیند کرانے کے لیے تیار تھا۔ جو غیر متوقع طور پر فل ٹاس
تھی اور حماد اسے صحیح سے نہیں کھیل سکا۔ سنگل کا موقع تھا
لیکن اس نے رن نہیں لیا۔ چوتھی بال ایک بار پھر گڈ لینتھ
تھی۔ حماد نے گیند کو بالکل سیدھا کھیلا اور گیند پویلین کی
چھت پر جا گری تھی۔ اسکور دو سو تینتالیس ہوچکا تھا۔ حماد
ناقابل یقین بلے بازی کر رہا تھا۔ تماشائی پاگلوں کی طرح
تالیاں بجا رہے تھے۔ ایسی جارحانہ بیٹنگ انہوں نے بہت کم
دیکھی تھی۔ پانچویں بال کو حماد نے پھر ڈرائیو کیا اور اس بار
ایک ہی رن بن سکا۔ آخری بال پر دوسرا بلے باز کوئی رن
نہیں بنا سکا۔ آخری اوور باقی تھا اور حماد اسی رنز بنا چکا تھا۔
وہ جس انداز میں بیٹنگ کر رہا تھا۔ تماشائی بجا طور پر اس سے
سنچری کی توقع کر رہے تھے۔

غیر متوقع طور پر سری لنکن کپتان آخری اوور کے لیے
اپنے آف اسپنر کو لے آیا۔ جو اپنی اچھی لائن و لینتھ کے
لیے مشہور تھا اور رفتار میں اچانک تبدیلی کرکے بلے باز کو
پریشان کردیتا تھا۔ حماد جانتا تھا کہ وہ تیز گیند کرا کے اسے
بالکل موقع نہیں دے گا اور ایسا ہی ہوا۔ پہلی لیگ اسٹمپ پر
اور خاصی تیز تھی۔ حماد نے پھر وکٹ سے آگے آکر گیند کو
صرف ہلکا سا ٹچ کیا اور گیند شارٹ فائن لیگ کے فیلڈر کے
پاس سے نکل گئی۔ حماد کا اسکور اب چوراسی تھا۔ اس سے
اگلی گیند کو اس نے پھر سیدھا اٹھا کر کھیلا اور گیند لانگ آن
کے ہاتھ سے صرف چند انچ کی دوری سے باؤنڈری کے باہر جا
گری تھی۔ ایک بار پھر شور سے کان کے پردے پھٹنے لگے
تھے۔ حماد نوے پر تھا اور اس کی سنچری سامنے کی بات تھی۔
اگلی بال کو اس نے کٹ کیا مگر شارٹ تھرڈ مین کے فیلڈر نے
ناقابل یقین مستعدی سے بال روک لی اور حماد ایک رن لے چکا
تھا۔ اب اسٹرائک اس کے ساتھی کے پاس تھا۔ دونوں نے
طے کیا کہ ہر حال میں سنگل لینا تھا۔ سری لنکن کپتان نے
اپنے فیلڈر اوپر بلا لیے تھے۔ بلے باز نے چوتھی بال کو کٹ کیا
اور گیند ایک بار جو فیلڈر کے پاس سے نکلی تو باؤنڈری لائن
ہی پار کرگئی۔ اب حماد کی سنچری کا کوئی امکان نہیں تھا۔
پانچویں بال بلے باز کھیل نہیں سکا اور وکٹ کیپر سے بھی بال
چھوٹ گئی جس سے فائدہ اٹھا کر حماد ایک بار پھر اسٹرائک
اینڈ پر پہنچ گیا۔ آخری بال بالکل بلے کی جڑ میں اور تیز تھی۔
حماد نے ذرا پیچھے ہٹ کر اسے کور کے اوپر سے کھیل دیا۔
آخری بال پر چوکا لگا کر وہ پچانوے رنز پر ناٹ آؤٹ رہا تھا اور
کل اسکور دو سو چونسٹھ تک پہنچا دیا تھا۔ جو مشکل نہیں تو

بہت آسان ٹارگٹ بھی نہیں تھا۔
ڈریسنگ روم میں پہنچتے ہی سب نے باری باری حماد کو گلے لگا کر شاباشی دینا شروع کردی۔ کپتان نے کہا "اب بالنگ بھی ایسی ہی کرنی ہے۔ بلکہ اس سے بھی اچھی۔"

وقفے کے بعد سری لنکن اوپنرز نے نہایت جارحانہ آغاز کیا اور پہلے پندرہ اوورز میں پچانوے رنز بنالیے جبکہ ان کا صرف ایک کھلاڑی آؤٹ ہوا۔ حماد ٹیم میں شامل واحد اسپنر تھا۔ جبکہ اس پچ پر اسپنرز تیز بالروں کی نسبت اچھی بالنگ کرا رہے تھے۔ بیس اوورز میں اسکور ایک سو بائیس تھا اور دوسرا اوپنر بھی ففٹی بنا کر آؤٹ ہوچکا تھا۔ اس موقع پر کپتان حماد کو لے آیا۔ بلے باز اسے محتاط انداز میں کھیلتے رہے اور دوسری جانب تیز بالروں کے خلاف آزادی سے رنز بناتے رہے۔ تیس اوورز میں اسکور ایک سو ستر ہوچکا تھا اور گرنے والی تیسری وکٹ حماد کے حصے میں آئی تھی۔ چھ اوورز کرا کے کپتان نے حماد کو ہٹالیا۔ آخری انیس اوورز میں سری لنکا کو فتح کے لیے بانوے رنز چاہیے تھے۔ اس موقع پر فاسٹ بالروں نے پرانی گیند سے کسی قدر بہتر بالنگ کا مظاہرہ کیا اور بلے بازوں کو دفاع پر مجبور کیا۔ مگر وکٹ گرانے میں ناکام رہے۔ چالیس اوورز کے خاتمے پر اسکور دو سو دس رنز تھا اور دس اوورز میں پچپن رنز درکار تھے۔ وکٹ پر موجود بلے باز سیٹ ہوچکے تھے اور بتدریج اپنی ٹیم کو فتح کی طرف لے جا رہے تھے۔

اس موقع پر انہوں نے جارحانہ انداز اپنایا اور تین اوورز میں بیس رنز بنالیے۔ کپتان نے آخری اوورز کے لیے حماد کو بلایا۔ اس کے ساتھ آل راؤنڈر تھا۔ جس نے تیز بالروں میں سب سے اچھی بالنگ کرائی تھی اور دو وکٹیں بھی لی تھیں۔ مقابلہ سنسنی خیز تھا جس میں سری لنکا کا پلہ بھاری تھا۔ حماد نے حسب معمول لیگ اسٹمپ کی لائن رکھی کیونکہ دونوں بلے باز بائیں ہاتھ سے کھیل رہے تھے۔ یوں اسے بالروں کے پیروں سے بنے نشانات استعمال کرنے کا موقع ملتا۔ اس کے اوور میں صرف دو رنز بنے لیکن اس کی کسر انہوں نے آل راؤنڈر کے اوور میں نکال لی۔ اس نے آٹھ رنز دے دیے تھے۔ اب پانچ اوور میں صرف پچیس رنز درکار تھے اور فتح سری لنکا کے سامنے موجود تھی۔ حماد مایوسی کے عالم میں اگلا اوور کرانے آیا۔ اس نے بال ایک بار پھر پاؤں سے بنے نشان پر پھینکی یہ اس کی خاص لیگ بریک تھی۔ بلے باز نے گیند کو اتنا باہر دیکھ کر بلا فضا میں بلند کرلیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ ایک وائڈ بال تھی مگر بال وکٹ پر پڑ کر غیر معمولی انداز میں وکٹوں کی طرف آئی اور بلے باز دم بخود سا اپنی اڑی ہوئی بیلز کو دیکھ رہا تھا۔ تماشائیوں کے ساتھ کھلاڑی بھی دیوانے ہوگئے تھے۔ انہوں نے حماد کو گھیر لیا تھا۔ ٹی وی کمنٹیٹر کے منہ سے سوائے "میجکل بال" کے کچھ نہیں نکل رہا تھا۔

آنے والا بلے باز سری لنکن ٹیم کا سب سے تجربے کار کھلاڑی تھا۔ اس نے حماد کی اگلی دو گیندوں کو کامیابی سے روکا مگر تیسری بال اسے دھوکا دے گئی۔ یہ درحقیقت ٹاپ اسپن تھا۔ جسے وہ لیگ بریک سمجھا۔ گیند اس سے بلے کے کنارے سے لگ کر سیدھا سلی پوائنٹ کے فیلڈر کے ہاتھ میں گئی۔ ایک اوور میں دو وکٹیں۔ فتح جو سری لنکا کے ہاتھ میں تھی۔ یک لخت مٹھی میں بند ریت کی طرح پھسلنے لگی۔ اگلا آنے والا وکٹ کیپر تھا اور اس نے حماد کا اوور عافیت سے گزار دیا۔ میڈن اوور سے کھلاڑیوں کے حوصلے بلند ہوئے تھے مگر دوسری جانب موجود بلے باز کچھ اور ہی سوچے ہوئے تھا۔ اس نے فاسٹ بالر کو اوور میں دو چوکے مارے اور ایک سنگل لیا۔ میچ ایک بار پھر متوازن ہوگیا۔ تین اوورز میں سولہ رنز۔

حماد نے اپنے اگلے اوور میں بلے باز کو پہلے دو معمولی لیگ بریک کرائیں اور پھر اپنی جادوئی لیگ بریک کرائی۔ گیند خاصی باہر سے اندر کی جانب آئی اور بلے باز نے اسے کٹ کرنے کی کوشش کی۔ گیند نے بلے کا کنارہ لیا اور وکٹ کیپر کے پاس سے تھرڈ مین کی طرف نکل گئی۔ گیند بالکل باؤنڈری پر روکی گئی اور اس دوران بلے بازوں نے بھاگ کر تین رنز بنالیے تھے۔ سری لنکن تماشائیوں کے چہرے پھر سے کھل اٹھے تھے۔ جو اس اوور کے خاتمے پر ایک بار پھر بجھ گئے جب حماد نے وکٹ کیپر بلے باز کو ایک فلیپر پر بولڈ کردیا۔ اب ان کے پاس چار وکٹیں تھیں اور جیت کے لیے صرف دو اوورز میں تیرہ رنز درکار تھے۔ بظاہر سری لنکن بلے بازوں کی حکمت عملی یہی ہوتی کہ حماد کے آخری اوور سے پہلے جتنے رنز بنا سکیں بنالیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بے جگری سے بیٹنگ کی اور دو وکٹوں کا نقصان اٹھا کر اس اوور میں دس رنز بنالیے۔ اب فتح کے لیے صرف تین رنز درکار تھے اور دو وکٹیں موجود تھیں۔ سری لنکا میچ تقریباً جیت چکا تھا۔ مایوس پاکستانی کپتان نے تمام فیلڈرز کو اوپر بلالیا تھا۔ تاکہ سنگل بچائے جاسکیں۔

حماد بے چینی سے بال اپنی انگلیوں میں گھما رہا تھا۔ اس کی نظریں فیلڈروں کی پوزیشن دیکھ رہی تھیں۔ سامنے لیفٹ آرم فاسٹ بالر تھا جو بیٹنگ بھی اچھی کرلیتا تھا۔ حماد

جانتا تھا کہ غلطی کی گنجائش نہیں تھی۔ ایک غلط بال انہیں شکست سے دو چار کردیتی۔ اس نے پہلی بال ہی فلیپر کرائی۔ بلے باز نے پوری قوت سے بلا گھمایا لیکن فیلڈ عبور کرنے میں ناکام رہا۔ اس کے ساتھی بلے باز نے آکر اسے کچھ سمجھایا۔ وہ سرہلاتا رہا لیکن اگلی بال پر اس نے وہ کیا جو اس کے ذہن میں تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر چھکا مارنے کی کوشش کی اور اسٹمپڈ ہوگیا۔ پاکستانی کھلاڑیوں اور تماشائیوں میں امید کی ایک لہر سی پیدا ہوئی تھی۔ حماد نے ایک بار آتی شکست کو دور کردیا تھا اور اب فتح میں صرف ایک وکٹ حائل تھی۔ آخری بلے باز خطرناک آف اسپنر تھا۔ اس نے امپائر سے گارڈ لیا اور کھیلنے کو تیار ہوا۔ اگلی گیند غیر معمولی لیگ بریک تھی جو بلے کے پاس سے گزر گئی۔ بلے باز دہل کر رہ گیا تھا۔ اس سے اگلی بال اس نے کسی نہ کسی طرح کھیلی اور اندھا دھند رن لینے کے لیے بھاگا۔ پوائنٹ پر کھڑا فیلڈر گیند کی طرف لپکا اس نے بال اٹھا کر وکٹوں پر مارنے کی کوشش کی اور گیند نکل گئی۔ حالانکہ وہ وکٹ کیپر کو دیتا تب بھی یہ صاف رن آؤٹ تھا۔ شارٹ اسکوائر لیگ کے فیلڈر نے ڈائیو مار کر گیند کو روکا اور کپتان نے خوں خوار نظروں سے پوائنٹ کے فیلڈر کی طرف دیکھا جس نے اپنی حماقت سے ایک یقینی موقع گنوا دیا تھا۔ بہرحال ہونے والی بات ہوچکی تھی۔ حماد اگلی گیند کے لیے تیار تھا۔ سامنے مستند بلے باز تھا جو خاصی دیر سے وکٹ پر موجود تھا اور اس کے لیے دو رنز بنانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ حماد نے آکر بال کرائی اس نے کٹ کیا لیکن بال سیدھی فیلڈر کے پاس گئی۔ اب دو بالوں پر دو رنز درکار تھے۔ حماد نے اگلی بال وکٹوں میں رکھی۔ یہ ٹاپ اسپن تھی۔ بلے باز اسے کھیلنے میں ناکام رہا۔ اب آخری بال پر دو رن چاہیے تھے۔ کپتان حماد کے پاس آیا۔ اس نے اسے شاباش دی اور کہا "اسے فلیپر کراؤ۔"

مگر حماد کے ذہن میں کچھ اور تھا۔ اس نے اس نازک موقع پر فلائٹ کے ساتھ گگلی پھینکی۔ فلائٹ دیکھ کر بلے باز آگے نکلا۔ اس نے گیند کو مڈ آن کے اوپر سے پھینکنے کی کوشش کی اور گیند سیدھی وکٹوں سے جا لگی تھی۔ حماد بے اختیار سجدے میں گر گیا۔ یہ اس کی پانچویں وکٹ تھی پھر تمام کھلاڑی آکر اس سے لپٹ گئے۔ اس نے ایک ہارا ہوا میچ جتوا دیا تھا۔ آخری وکٹ گرتے ہی تماشائی میدان میں گھس آئے تھے۔ کھلاڑی بچ بچا کر ڈریسنگ روم تک پہنچے تھے۔ کچھ دیر بعد انعامی تقریب میں جب مین آف دی میچ کے نام کا اعلان ہوا تو وہ حماد کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔

○☆○

حماد مسرتوں کے ایسے خمار میں تھا کہ اسے اردگرد ہونے والی پراسرار تبدیلیوں کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ ان دنوں کپتان اور کچھ سینیئر کھلاڑی خفیہ انداز میں میٹنگوں میں مصروف تھے اور جونیئر کھلاڑی سیر و تفریح میں لگے ہوئے تھے۔ خود حماد دو بار جاکر لیلی سے مل چکا تھا اور ان دونوں نے شارجہ کے تمام قابل دید مقامات دیکھ لیے تھے۔ حماد نے اسے رولڈ گولڈ کی ایک چین اور موتیوں سے سجا ایک نیکلس تحفے میں دیا تھا۔ لیلی اس کے لیے نہ جانے کیا کیا خریدتی پھر رہی تھی۔ وہ شفقت علی کا سٹی بینک کا گولڈ کارڈ لے آئی تھی اور اب اس کا دل کھول کر فائدہ اٹھا رہی تھی۔

"اتنا سامان میں کیسے لے جاؤں گا۔" حماد نے اعتراض کیا۔

"یہ تمہارا درد سر۔" لیلی بے نیازی سے بولی "ویسے تم لوگوں کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کھلاڑی اس سے بھی زیادہ سامان لے جاتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔"

"انکل کیا کر رہے ہیں۔ انہیں تمہاری آوارہ گردی پر تشویش نہیں ہے۔" حماد نے کہا۔

لیلی نے آنکھیں نکالیں "تم مجھے آوارہ گرد کہہ رہے ہو۔"

"تو اور کیا کہوں۔ غضب خدا کا جوان جہان لڑکی ایک غیر ملک میں یوں منہ اٹھا کر اکیلے گھومنے کو نکل جائے تو اسے اور کیا کہیں گے۔"

"احمق!" لیلی نے دانت پیسے "اب میں آؤں گی تمہارے بلانے پر۔"

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" حماد نے سر پر ہاتھ مارا اور پھر لیلی کو منانے لگ گیا۔ جب لڑائی ختم ہوئی تو لیلی نے کہا۔

"پاپا ان دنوں کچھ پریشان سے لگتے ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ ان کی پریشانی کا تعلق تم سے ہے۔"

"مجھ سے؟" حماد کو حیرانی ہوئی "اب میں اور کیا کر کے دکھاؤں۔"

"اونہوں۔ بات تمہارے کھیل کی نہیں ہے بلکہ کھیل سے ہٹ کر کوئی معاملہ ہے۔ میں نے پاپا سے اب تک پوچھا نہیں۔ آج پوچھوں گی۔"

"کل کا میچ دیکھنے آؤ گی؟"

"مشکل ہے۔ پاپا کے ایک جاننے والے نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔ وہاں جانا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے، شام ہو رہی ہے اور انکل تشویش میں مبتلا ہو چکے ہوں گے۔" حماد نے کہا۔

○☆○

حماد کو حیرت ہوئی جب میچ کی صبح کپتان نے اسے پریکٹس پر چلنے کے لیے نہیں کہا۔ جن کھلاڑیوں نے شام کے میچ میں حصہ لینا ہوتا تھا وہ صبح کی پریکٹس میں شریک ہوتے تھے۔ دوپہر کو وہ تیار ہو کر اسٹیڈیم روانہ ہو گئے۔ کیونکہ مقابلہ یو اے ای جیسی کمزور ٹیم سے تھا۔ اس لیے کھلاڑیوں میں زیادہ جوش و خروش نہیں تھا۔ البتہ کپتان اور ٹیم کے دوسرے کچھ سینیئر کھلاڑی کچھ فکرمند سے نظر آرہے تھے۔ کل شام کو نیٹ پریکٹس کے بعد پاکستانی کپتان نے صحافیوں کو بتایا تھا کہ وہ وہی ٹیم برقرار رکھیں گے۔ جس نے پہلے دو میچوں میں حصہ لیا تھا مگر میچ سے کچھ دیر قبل حماد کو معلوم ہوا کہ ٹیم میں چار تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ جن چار کھلاڑیوں کو ڈراپ کیا گیا تھا۔ یہ وہی تھے۔ جنہوں نے دو میچوں میں نمایاں کارکردگی دکھائی تھی۔ ان میں حماد بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ فاسٹ بالنگ کرانے والا آل راؤنڈر اور تجربے کار اوپننگ بلے باز بھی شامل تھا۔ ان کی جگہ ان چار کھلاڑیوں کو ٹیم میں شامل کیا گیا تھا۔ جنہوں نے دونوں میچ نہیں کھیلے تھے۔ کپتان نے اس فیصلے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "دراصل میں تم چاروں کو آرام کا موقع دینے کے ساتھ انہیں آزمانا چاہ رہا ہوں۔"

حماد کے لیے یہ وضاحت قابلِ قبول تھی۔ ایسا اکثر ہوتا تھا۔ فائنل، سیمی فائنل میں پہنچ جانے والی ٹیم اپنے بقیہ میچوں کو وارم اپ میچوں کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ اس کے باوجود حماد کے ذہن میں کچھ کھٹک سا رہا تھا۔ شاید اسے کپتان کے رویے میں کوئی خاص بات نظر آئی ہو۔ میچ سے پہلے حماد کو اس نے حیران کرنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے تو اس نے ٹاس جیت کر ایک آسان بیٹنگ پچ پر یو اے ای کو بیٹنگ کی دعوت دی۔ دوسرے اس نے ٹیم کے دو ناتجربے کار ترین بالروں سے بالنگ کا آغاز کیا۔ یو اے ای کے اوپنرز نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور پہلے پندرہ اوورز میں اسی رنز بنالیے اور ان کا کوئی کھلاڑی آؤٹ نہیں ہوا تھا۔ حماد دیکھ رہا تھا کہ بلے باز اتنی اچھی بیٹنگ نہیں کر رہے تھے جتنی کہ بالر خراب بالنگ کرا رہے تھے۔ اگر کوئی تجربے کار ٹیم ہوتی تو اس سے کہیں زیادہ رنز بنا سکتی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے پاس بیٹھے ساتھی سے پوچھا۔

"وہی جو تم دیکھ رہے ہو۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

ناتجربے کار فاسٹ بالروں کے بعد تجربے کار اسپنرز نے ان سے بھی زیادہ خراب بالنگ کا مظاہرہ کیا۔ وکٹیں تو گر رہی تھیں۔ مگر رنز بننے کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ پچاس اوورز کے خاتمے تک یو اے ای نے آٹھ وکٹوں کے نقصان پر دو سو اڑتالیس رنز بنالیے تھے۔ جو کسی ٹیسٹ ٹیم کے خلاف اس کا سب سے بڑا اسکور بھی تھا۔ یہ اسکور یقیناً بالروں کے لیے شرمناک تھا مگر وہ اس پر ذرا بھی شرمندہ نظر نہیں آرہے تھے۔ وقفے کے بعد جب پاکستانی اوپنرز بیٹنگ کے لیے گئے تو دس اوورز میں دونوں آؤٹ ہو کر واپس آگئے۔ اس کے بعد وقفے وقفے سے وکٹیں گرتی رہیں۔ کوئی پاکستانی بلے باز جم کر بیٹنگ نہ کر سکا تھا۔ بے شک یو اے ای کے بالر اچھی لائن و لینتھ سے بالنگ کرا رہے تھے مگر آؤٹ ہونے والے بلے باز اپنی غلطیوں سے آؤٹ ہو رہے تھے۔ دو اچھی فتوحات کے بعد حماد کے نقطہ نظر سے یہ کارکردگی ناقابل فہم تھی۔ اس کے خیال میں کسی بلے باز نے وکٹ پر ٹک کر بیٹنگ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور جب بیالیسویں اوور میں پوری ٹیم آؤٹ ہوئی تو اسکور صرف ایک سو ستاسی رنز تھا۔ پاکستان یہ میچ اکسٹھ رنز کے واضح فرق سے ہار گیا تھا۔ اسٹیڈیم میں جیسے سناٹا چھا گیا تھا۔ یو اے ای کی فتح سے زیادہ پاکستان کی شکست لوگوں کے لیے ناقابل یقین تھی۔ انعامات کی تقریب میں پاکستانی کپتان نے شکست کی وجہ خراب کارکردگی کو قرار دیا۔ اس نے صرف اتنا کہا۔

"جو ٹیم بہتر کھیلی وہ جیت گئی۔"

حماد کے خیال میں وجہ صرف اتنی سی نہیں تھی کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ کپتان سمیت ٹیم کے چند کھلاڑیوں کے چہرے اس ذلت آمیز شکست کے باوجود خوش باش نظر آرہے تھے۔ جبکہ اس وقت مسرت ظاہر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ پاکستانی کپتان نے جس لہجے میں اور مسکراتے ہوئے بات کی۔ وہ پاکستانی تماشائیوں اور عوام کے لیے اذیت ناک تھا۔ ٹیم کے چند کھلاڑیوں کے علاوہ باقی سب ہی افسردہ اور مایوس نظر آرہے تھے۔ فائنل سے پہلے اس شرمناک شکست نے ان کے مورال پر برا اثر ڈالا تھا۔ رات گئے میٹنگ میں کپتان اور منیجر نے شکست کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے کھلاڑیوں کو تسلی دی اور ان سے کہا کہ وہ اسے بھول جائیں اور کھلاڑی شاید اسے بھول بھی جاتے مگر اگلے خلیج کے ایک ممتاز روزنامے نے دھماکا خیز سرخی لگائی تھی "یو اے ای کی فتح بلے بازوں کی مرہون منت ہے۔"

خبر میں اخبار نے دعویٰ کیا تھا کہ دونوں ٹیمیں میچ فکسنگ میں ملوث تھیں اور اخبار نے کپتان سمیت چند پاکستانی کھلاڑیوں کے نام لیے تھے۔ جنہوں نے ہار کے بدلے سٹے بازوں سے بھاری معاوضہ لیا تھا۔ اس پر پاکستانی ٹیم مینجمنٹ نے اخبار سے احتجاج کرتے ہوئے خبر کو من گھڑت خبر قرار دیا۔ یہ پریس ریلیز سہ پہر کے اخبارات میں آیا لیکن خلیجی اخبار نہ صرف اپنی خبر پر قائم رہا بلکہ اس نے مزید میچ فکسنگ میں ملوث کچھ اور افراد کے نام لیے جن میں پاکستانی بورڈ کے کچھ عہدے دار اور شارجہ کرکٹ کا ایک معتبر نام بھی شامل تھا۔ شام تک اس معاملے میں ٹی وی میڈیا بھی کود پڑا تھا اور بی بی سی کے علاوہ کئی اسپورٹس چینل اس معاملے کو کوریج دے رہے تھے۔ اسی وقت ٹیم منیجر نے پاکستانی کھلاڑیوں پر کسی قسم کا بیان جاری کرنے پر پابندی لگا دی تھی۔ اس نے کھلاڑیوں سے کہا۔

"یہ آپ کے الفاظ کو توڑ موڑ کر پیش کریں گے۔ اس بنا پر یہ پابندی لگائی جا رہی ہے۔"

اس پر ایک سینیئر کھلاڑی نے تلخ لہجے میں کہا "پابندی تو ان پر لگنی چاہیے جو سٹے بازی میں ملوث ہو کر ٹیم اور قوم کو بدنام کر رہے ہیں۔ ان بے چاروں پر پابندی کیوں؟"

اس پر منیجر اور اس سینیئر کھلاڑی کے درمیان کچھ تند و تیز کلمات کا تبادلہ ہوا جس کے بعد وہ کھلاڑی میٹنگ سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔ منیجر اور کپتان کا موڈ خراب نظر آنے لگا تھا۔ حماد کا احساس شدید ہوتا جا رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں... گڑبڑ ضرور تھی۔ اگرچہ اب یہ روایت سی بنتی جا رہی تھی کہ جب بھی ٹیم کوئی میچ غیر متوقع طور پر ہار جاتی تو اس پر سٹے بازی کے الزامات لگتے تھے اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اخباروں کی مہم کے بعد ٹی وی کے معاملے میں شامل ہونے سے ساری دنیا کے لوگ اس سے واقف ہو رہے تھے۔ پاکستانی اخباروں نے بھی سرخیاں جمانی شروع کر دیں تھیں۔

پریکٹس کے دوران میں حماد نے واضح طور پر محسوس کیا کہ اکثر کھلاڑی بہت بے دلی سے پریکٹس میں حصہ لے رہے تھے۔ جیسے ان کا کھیلنے کا موڈ نہ ہو۔ خاص طور سے وہ سینیئر کھلاڑی جس کی منیجر سے تلخ کلامی ہوئی تھی۔ حماد کے روم میٹ نے اس سے کہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ یہ کھلاڑی اتنا چراغ پا کیوں ہے؟"

"ظاہر ہے اس قسم کے الزامات پر تو سب کو ہی غصہ آئے گا۔" حماد بولا۔

وہ ہنسا "تم ابھی نئے ہو۔ بات یہ ہے بھولے بادشاہ کہ اس بار اسے حصہ نہیں ملا۔ اسی بنا پر بلبلا رہا ہے۔"

"تت۔۔ تم یہ کہہ رہے ہو کہ میچ فکسنگ ہوئی ہے۔"

حماد دم بخود رہ گیا تھا۔

"آہستہ احمق۔" روم میٹ نے اسے ڈانٹا "تم اپنے ساتھ مجھے بھی ٹیم سے باہر کرواؤ گے۔"

حماد سوچنے لگا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے یا وہ سمجھنے کے باوجود کچھ سمجھنے کو تیار نہیں تھا "نہیں یہ سب جھوٹ ہے۔ بکواس کرتے ہیں یہ سب۔" اس کے دل نے کہا مگر دماغ نے اس کی تردید کی تھی۔ حقائق کچھ اور ہی کہہ رہے تھے اور جذبات میں آنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ اگلے روز حماد اطہر کے سامنے تھا۔ اسے اپنے سینے کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک قریبی فرد کی ضرورت تھی۔ لیلیٰ اس سے قریب تھی لیکن وہ اس معاملے کی باریکیاں نہیں سمجھ سکتی تھی۔ سب سننے کے بعد اطہر نے اس سے پوچھا۔

"تو پھر تم کیا کر سکتے ہو؟"

"آپ کا مطلب ہے کہ میں خاموش رہوں۔ سب بھول جاؤں۔" حماد حیرانگی سے بولا۔

"ظاہر ہے۔ اس کے سوا تم اور کیا کر سکتے ہو۔ تمہارے پاس کوئی ثبوت تو ہے نہیں اور اگر ہو تا بھی تو تم کس کے پاس لے کر جاتے۔"

"کاش کہ یہ سب جھوٹ ہو۔" حماد کے لہجے میں دکھ تھا۔

اطہر نے بغور اسے دیکھا "فرض کرو کہ کبھی تمہیں ایسی ہی سچویشن کا حصہ بننے کو کہا جائے۔"

"آپ جانتے ہیں۔ میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔"

اطہر کسی قدر فکر مند ہو گیا "چاہے اس کے لیے تمہیں کوئی بھی قیمت دینی پڑے۔"

"ہاں کسی بھی قیمت کے بدلے۔" حماد نے فیصلہ کن انداز میں کہا "میں اپنے ضمیر کا سودا نہیں کر سکتا۔"

"میں کئی ایسے کھلاڑیوں کو جانتا ہوں۔ جو بہت باصلاحیت تھے اور وہ بھی ضمیر کا سودا کرنے کے قائل نہیں تھے۔" اطہر نے رک کر اسے دیکھا "اب وہ ٹیم میں شامل نہیں ہیں۔"

"گویا آپ مجھے ترغیب دے رہے ہیں کہ میں اس گندگی میں شامل ہو جاؤں۔" حماد کا لہجہ تلخ تھا۔

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔" اطہر تحمل سے بولا "میں نے تمہیں صرف خبردار کیا ہے۔"

"فرض کریں ایسی کوئی معاملہ ہو تو اس صورت میں مجھے

کیا کرنا چاہیے۔"

"ہم نے تین بندروں کا شوپیس دیکھا ہے۔ جو برا نہ دیکھو' برا نہ سنو اور برا نہ کہو کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ میرا مشورہ تمہارے لیے یہی ہے۔"

"میں بندر نہیں انسان ہوں۔" حماد تلخی سے بولا۔

"خدا کے لیے حماد۔ تم کیوں اپنی اور میری پریشانیوں میں اضافہ کررہے ہو۔"

حماد نے غور کیا "میری حد تک تو یہ ٹھیک ہے لیکن آپ کی پریشانی....."

"تم میرے ہونے والے داماد ہو اور تمہارے ہر فیصلے کا اثر میرے خاندان پر بھی پڑے گا۔ میں جانتا ہوں تم ایک اچھے اور باضمیر نوجوان ہو لیکن میرے بیٹے یہ اچھائی اور کردار دنیا کو نظر نہیں آتا۔ وہ صرف ٹھوس مادی اشیا دیکھتے ہیں۔ میں صاف بات کروں گا۔ میری بیوی اور سسر اس رشتے پر میری بعض یقین دہانیوں کے بعد ہی راضی ہوئے تھے۔ اب اگر وہ وعدے پورے نہ ہوئے تو۔"

"تو آپ یہ رشتہ توڑ دیں گے۔ لیلیٰ کو مجھ سے جدا کردیں گے۔" حماد کی مسکراہٹ کرب انگیز تھی۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ سب میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔" اطہر نے دوسری طرف دیکھا "صرف ایک بات یاد رکھو۔ تمہیں مجھے اور لیلیٰ کو تمہارے مقام کی بے حد ضرورت ہے۔ تمہیں ہر صورت کرکٹ میں بہت اونچے مقام تک جانا ہے۔"

"ہر صورت۔" حماد پرخیال انداز میں بولا۔ بات اس پر واضح تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس میں کوئی لعل موتی نہیں جڑے ہوئے تھے۔ لیلیٰ جیسی خوب صورت اور دولت مند لڑکی سے اس کا رشتہ صرف اسی بنا پر ہوا تھا کہ اس کے کرکٹ میں اونچے مقام تک پہنچنے کے امکانات بہت روشن تھے۔ ایک عالمی شہرت یافتہ کرکٹر ان کا داماد بن سکتا تھا۔ بے شک وہ کسی بھی پس منظر سے تعلق رکھتا ہو۔ گویا لیلیٰ اس سے نہیں اس کی پوزیشن سے بیاہی جارہی تھی۔ حماد نے تلخی سے سوچا تھا۔ وہ اطہر کے کمرے سے نکل آیا تھا۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ پیچھے سے لیلیٰ اسے آوازیں دیتی رہ گئی تھی۔

○☆○

بھارت نے سری لنکا اور یو اے ای کو ہرا کر فائنل کھیلنے کا اعزاز حاصل کرلیا تھا۔ گزشتہ کئی برسوں کے بعد یہ پہلا موقع تھا۔ جب بھارت اور پاکستان کسی ٹورنامنٹ کے فائنل میں آمنے سامنے آئے تھے۔ اس میچ کے لیے شارجہ میں بے انتہا جوش و خروش تھا کیونکہ پہلے پاکستان فائنل میں پہنچا تھا۔ اس لیے زیادہ تر نشستیں پاکستانی تماشائیوں نے حاصل کرلی تھیں مگر بھارتی شائقین بھی کچھ کم نہیں تھے۔ فائنل والے دن سے پہلے ہی تمام ٹکٹیں بک چکی تھیں اور نئے ٹکٹوں کی مانگ جاری تھی۔ مجبوراً انتظامیہ کو دو ہزار نئی نشستوں کی گنجائش نکالنا پڑی تھی۔

جب حماد اسٹیڈیم میں داخل ہوا تو بڑی تعداد میں سبز پرچم دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سٹے بازی کے الزام کے بعد تماشائی شاید اسٹیڈیم کا رخ ہی نہ کریں۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے اس الزام پر یقین نہیں کیا تھا یا اب وہ اس کے عادی ہوگئے تھے۔ اس دفعہ وہی ٹیم رکھی گئی تھی جس نے بھارت اور سری لنکا کو گروپ میچوں میں ہرایا تھا۔ دو بجے سے کچھ پہلے دونوں کپتان ٹاس کے لیے وکٹ تک گئے۔ بھارتی کپتان نے سکہ اچھالا اور پاکستانی کپتان نے ٹیل پکارا۔ سکہ زمین پر گرا۔ رقص کے انداز میں گھوما اور ساکت ہوگیا۔ یہ ٹیل تھی۔ ٹاس پاکستان نے جیت لیا تھا اور فوراً بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ تماشائیوں نے اس فیصلے کا پرزور خیر مقدم کیا تھا۔ کچھ دیر بعد دونوں پاکستانی اوپنر پویلین سے نمودار ہوئے۔ بھارتی ٹیم پہلے ہی میدان میں آچکی تھی۔ اسٹیڈیم میں موجود چالیس ہزار تماشائیوں کے علاوہ دنیا بھر میں اپنے ٹی وی سیٹس کے آگے بیٹھے کروڑوں افراد کھیل شروع ہونے کے منتظر تھے۔

کھیل کا آغاز معمول کے انداز میں ہوا۔ پاکستانی اوپنرز کا انداز محتاط تھا۔ اس بنا پر پہلے پانچ اوور میں صرف سترہ رنز بنے تھے۔ مگر اس کے بعد رنز بننے کی رفتار میں کسی قدر اضافہ ہوا اور دس اوور میں اسکور بیالیس رنز تھا۔ جو پندرہ اوورز کے خاتمے تک چھیاسٹھ رنز ہوچکا تھا۔ حماد کا خیال تھا کہ اتنی پرفیکٹ بیٹنگ وکٹ پر اوپنرز نے پہلے پندرہ اوورز کو ضائع کیا تھا۔ اس پر سو رنز بھی بن سکتے تھے۔ پندرہ اوورز کے بعد جب فیلڈ پھیل گئی تو اوپنرز نے تیز کھیلنے کی کوشش کی۔ کچھ باؤنڈریاں بھی لگیں مگر تراسی کے اسکور پر تجربے کار اوپنر ففٹی بنا کر آؤٹ ہوگیا۔ اس کے کچھ دیر بعد دوسرا اوپنر بھی آؤٹ ہوگیا۔ لگاتار دو وکٹیں گرنے سے نئے آنے والے بلے باز دباؤ میں آگئے اور سستی سے کھیلنے لگے۔ بیس اوورز میں اسکور چھیاسی رنز تھا مگر تیس اوورز میں اسکور بمشکل ایک سو بارہ تک پہنچا تھا۔ بھارتی بالرز اور فیلڈرز مثالی کھیل پیش کررہے تھے۔ اسی اسکور پر تجربے کار ون ڈاؤن بیٹسمین بھی آؤٹ ہوگیا۔ اور کپتان خود کھیلنے گیا۔ مگر دو اوورز بعد ہی وہ بھی ایل بی ڈبلیو ہوکر واپس آگیا۔ اس موقع پر مڈل آرڈر بلے باز نے آل راؤنڈر کے ساتھ مل کر ٹیم کو سنبھالا دیا۔ وہ

دونوں اسکور چالیس اوور تک ایک سو سڑسٹھ تک لے گئے۔ مڈل آرڈر بلے باز ففٹی بنا کر آؤٹ ہوا تو وکٹ کیپر اور آل راؤنڈر نے مل کر اسکور کو تیزی سے آگے بڑھانا شروع کردیا۔ پینتالیس اوورز میں اسکور دو سو رنز تھا۔ اگلے اوور میں وکٹ کیپر اچھی اننگ کھیل کر آؤٹ ہوا تو کپتان نے حماد کو بھیج دیا۔ حالانکہ کرکٹ ماہرین حیران تھے کہ حماد جس فارم میں تھا اسے پانچویں نمبر پر بھیجنا چاہیے تھا۔

آل راؤنڈر چھیالیس رنز پر کھیل رہا تھا۔ اس نے اس اوور میں مزید دو چوکے لگا کر اپنی ففٹی بھی مکمل کرلی۔ اگلے اوور میں حماد نے ایک کٹ کرکے چوکا لگایا اور پھر سنگل لیا۔ اس کے بعد آل راؤنڈر نے لگاتار دو چوکے اور ایک چھکا لگایا۔ وہ شان دار اننگ کھیل رہا تھا۔ لہٰذا حماد نے بہتر یہی سمجھا کہ اسٹرائک زیادہ سے زیادہ اسے دے۔ اس نے اگلے اوور کی پہلی بال پر ایک رن لیا۔ آل راؤنڈر نے ایک چوکا لگایا مگر اگلی ہی بال پر وہ لانگ آف پر کیچ ہوگیا۔ اسکور دو سو چھتیس تھا اور پندرہ بالیں باقی تھیں۔ نیا آنے والا بالر بھی اچھا بلے باز تھا۔ مگر حماد نے زیادہ خود کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ اسی اوور میں اس نے ایک باؤنڈری کے بعد آخری بال پر سنگل لے لیا۔ بھارتی کپتان اپنے لیگ اسپنر کو لے آیا تھا۔ اس کا آخری اوور تھا۔ اس کی پہلی بال پر حماد بیٹ ہوا مگر اگلی گیند کو اس نے گلانس کرکے چوکا مار دیا۔ اس سے اگلی بال اسٹریٹ ڈرائیو کی اور بھاگ کر دو رنز بنالیے۔ تیسری بال پر وہ صرف سنگل لے سکا اور نیا آنے والا بلے باز پہلی ہی بال پر بولڈ ہوگیا۔ اب آخری بال باقی تھی۔ جس پر نئے آنے والے فاسٹ بالر نے پوری قوت سے بلا گھمایا اور گیند پویلین اسٹینڈ میں جاگری تھی۔ اسکور دو سو چون ہوچکا تھا اور ایک اوور باقی تھا۔ جو بھارتی تجربے کار فاسٹ بالر کرا رہا تھا۔ اس کی پہلی بال حماد نے وکٹ کیپر کے برابر سے نکال دی اور تھرڈ مین کا فیلڈر اسے نہیں روک سکا تھا۔ اگلی بال کو کٹ کیا اور بھاگ کر دوسرا رن بھی لے لیا۔ تھرو صحیح نہیں آئی ورنہ وہ یقینی رن آؤٹ تھا۔ تیسری بال کو حماد نے مڈ آف کی طرف ڈرائیو کیا اور گیند ایک بار پھر باؤنڈری پار کرگئی۔ مگر چوتھی بال پر اسے ایک ہی رن ملا۔ فاسٹ بالر نے اگلی بال پر پھر پوری قوت سے بلا گھمایا اور اس بار گیند اسٹیڈیم سے باہر جاگری۔ پاکستانی تماشائی رقص کناں تھے مگر آخری گیند نے فاسٹ بالر کی وکٹیں بکھیر کر رکھ دی تھیں۔ حماد ایک بار پھر ناٹ آؤٹ رہا تھا۔ اس نے قیمتی انتیس رنز بنائے تھے۔ ایک موقع پر جو اسکور ڈھائی سو تک بھی پہنچتا نظر نہیں آرہا تھا۔ پچاس اوور کے خاتمے تک دو سو اکہتر ہوچکا تھا۔ ڈریسنگ روم میں پاکستانی کھلاڑیوں کے چہرے کھلے ہوئے تھے اور گزشتہ چار دن سے جو مایوسی اور کشیدگی ان کے اعصاب پر طاری تھی۔ وہ اب غائب ہوچکی تھی۔

وقفے کے بعد بھارتی اوپنر بیٹنگ کے لیے نکلے بھارتی تماشائیوں نے تالیاں بجا کر ان کا استقبال کیا۔ ٹنڈولکر اور گنگولی بلاشبہ دنیا کا بہترین اوپننگ جوڑا تھا۔ اور انہوں نے نا تجربے کار فاسٹ بالنگ سے خوب فائدہ اٹھایا۔ سوائے آل راؤنڈر کے کوئی اچھی بالنگ نہیں کراسکا اور انہوں نے بغیر کسی نقصان کے پہلے پندرہ اوورز میں پچاس رنز بنالیے۔ مگر اس موقع پر جیسے اچانک ہی بھارتی بیٹنگ پر زوال آگیا۔ ٹنڈولکر رن آؤٹ ہوا اور گنگولی کاٹ بی ہائنڈ نیا آنے والا بلے باز فوراً ہی آل راؤنڈر کا شکار ہوگیا۔ یکے بعد دیگرے تین وکٹیں گرنے سے بھارتی بلے باز زبردست دباؤ میں آگئے تھے اور بیس اوورز میں اسکور صرف ستانوے تک پہنچا۔ بھارتی کپتان اپنے تجربے کار مڈل آرڈر بلے باز کے ساتھ صورت حال بہتر بنانے کی کوشش کررہا تھا۔ حماد کی عمدہ بالنگ نے ان کی مشکلات میں مزید اضافہ کردیا۔ اس نے پہلے آٹھ اوورز کے اسپیل میں صرف بائیس رنز دیے تھے۔ تیس اوور میں اسکور ایک سو اڑتیس تھا۔

تیسویں اوور میں بھارتی کپتان بھی ایک غلط رن کا شکار ہوگیا۔ اب بھارتی ٹیم پوری طرح دباؤ میں آچکی تھی۔ پیچھے آنے والوں میں صرف ایک آل راؤنڈر اور وکٹ کیپر ہی کسی قدر قابل بھروسا تھے۔ البتہ مڈل آرڈر بلے باز جما ہوا تھا۔ اس نے ففٹی مکمل کرلی تھی۔ چونتیس اوورز کے بعد امپائر نے پانی کا وقفہ کردیا۔ حماد یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ تولیہ اور دوسری اشیا لانے والے بارہویں کھلاڑی کے ہمراہ ٹیم منیجر بھی میدان میں آیا تھا اور اب کپتان سے کچھ بات کررہا تھا۔ وقفے کے بعد حماد نے کپتان کے رویّے میں عجیب سی تبدیلی دیکھی۔ پہلے تو اس نے نہایت جارحانہ فیلڈنگ کھڑی کردی۔ دو سلپ کے ساتھ فارورڈ شارٹ لیگ بھی تھا اور باؤنڈری پر صرف دو فیلڈر تھے۔ ایک لانگ لیگ اور دوسرا تھرڈ مین پر۔ اس کا نتیجہ بھی فوری طور پر برآمد ہوا۔ مڈل آرڈر بلے باز نے فاسٹ بالر کو لگاتار چوکے مارے۔ اس اوور کے خاتمے تک اسکور ایک سو ستر ہوگیا تھا۔ اور آخری پندرہ اوورز میں بھارت کو فتح کے لیے ایک سو دو رنز درکار تھے۔

اگلے اوورز حماد کے لیے مزید حیرانگی لائے۔ نہ صرف بالر غیر معیاری بالنگ کرا رہے تھے بلکہ فیلڈنگ کا معیار بھی یک دم ناقص ہوگیا تھا۔ فیلڈروں نے دو آسان کیچ چھوڑ دیے۔ اس سے بھارتی بلے بازوں کے حوصلے بلند ہوئے اور

انہوں نے چالیس اوورز میں دو سو رنز مکمل کر لیے اور آخری دس اوورز میں اکہتر رنز درکار تھے۔ اکتالیسویں اوور میں آل راؤنڈر نے ہاتھ کھولے اور ایک چھکا اور ایک چوکا لگا دیا۔ اس اوور میں مجموعی طور پر بارہ رنز بنے۔ اگلے اوور میں بھی یہی کہانی دہرائی گئی اور دس رنز بن گئے۔ تماشائی اور مبصر حیران تھے کہ اچھا کھیلتے کھیلتے پاکستانی کھلاڑیوں کو یہ کیا ہوا تھا۔ حالانکہ پرانی بال کے ساتھ وہ بلے بازوں کے لیے عذاب بن جاتے تھے۔ پینتالیس اوورز میں اسکور دو سو سینتیس ہوچکا تھا اور آخری پانچ اوورز میں صرف پینتیس رنز درکار تھے۔ مڈل آرڈر بلے باز سنچری کے نزدیک تھا۔ تین بالر اپنے اوور کا کوٹا مکمل کرا چکے تھے اور یہ تینوں ہی بے حد مہنگے پڑے۔ اب حماد کے دو اور آل راؤنڈر کے تین اوور باقی تھے۔

اس موقع پر بھارتی تماشائیوں کا جوش و خروش دیکھنے والا تھا۔ ایک بے حد مشکل دور سے گزر کر ان کی ٹیم فتح کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی اور ابھی اس کی چھ وکٹیں باقی تھیں۔ کپتان بالنگ کے لیے آل راؤنڈر کو لے آیا تھا۔ اس نے پہلی بال یارکر کرانے کی کوشش کی۔ جیسے بلے باز نے مڈ آف اور پوائنٹ کے درمیان سے کھیل دیا اور کوئی فیلڈر پیچھے نہ ہونے کے باعث چوکا ہو گیا۔ آل راؤنڈر نے کپتان سے کچھ بات کی۔ وہ فیلڈروں کو پھیلانے کو کہہ رہا تھا لیکن کپتان نے اس کی بات ماننے کے بجائے اسے بال کرانے کو کہا۔ آل راؤنڈر خاصا غصے میں تھا۔ اس نے اگلی بال ان سوئنگ پھینکی اور مڈل آرڈر بلے باز سنچری کی حسرت لیے ایل بی ڈبلیو ہو کر پویلین واپس چلا گیا۔ حماد اور کچھ دوسرے کھلاڑی خوشی سے آل راؤنڈر سے جا چمٹے۔ مگر کپتان اور کچھ کھلاڑیوں کے چہرے متفکر ہو گئے تھے۔ کپتان نے آل راؤنڈر سے کہا "تم صرف لائن و لینتھ برقرار رکھو۔ ریورس سوئنگ کرانے سے گریز کرو۔ ہم غیر ضروری رنز نہیں دے سکتے۔"

حماد کو حیرت ہوئی۔ اس نازک موقع پر وہ اپنے بالر کو مشورہ دے رہا تھا کہ وہ اپنے ہتھیار کو استعمال نہ کرے۔ جبکہ اس وکٹ پر لائن و لینتھ سے بال کرانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلے باز جگہ بنا کر بہ آسانی کھیل سکتے تھے۔ نئے آنے والے بلے باز نے دو گیندیں روکیں اور پانچویں بال کو آن ڈرائیو کیا۔ فیلڈر گیند کے پیچھے دوڑا ضرور مگر اس کے انداز میں بے دلی نمایاں تھی اور بال باؤنڈری پار کر گئی۔ آخری بال پر بلے باز بیٹ ہوا۔ اب چار اوورز میں ستائیس رنز درکار تھے۔ کپتان نے حماد کو بالنگ کے لیے بلایا۔ حماد نے اس سے کہا۔

"میں فیلڈ میں تبدیلی چاہتا ہوں۔ آپ ایک کھلاڑی لانگ آف پر بھیج دیں۔"

"فیلڈ پلیسنگ کو میں بہتر سمجھتا ہوں۔ تم صرف اپنی بالنگ پر توجہ دو۔" کپتان نے خشک لہجے میں کہا۔ اس پر حماد نے ایک مزید کھلاڑی لیگ سائڈ پر مانگا مگر اس کی یہ درخواست بھی مسترد کر دی گئی۔ فیلڈ کچھ اس طرح تھی کہ آن سائڈ پر چار اور آف سائڈ پر پانچ کھلاڑی تھے۔ جبکہ حماد کی بالنگ لائن ہمیشہ لیگ اور مڈل اسٹمپ ہوتی تھی۔ اس کی پہلی ہی بال کو وکٹ کیپر بلے باز نے قدموں کا استعمال کر کے لانگ آن اور مڈ وکٹ کے درمیان کھیلا اور دو رنز بنا لیے۔ حماد کی اگلی بال اس کے پیڈ پر لگی اس کے خیال میں یہ بال وکٹوں میں جا رہی تھی۔ اس نے زوردار اپیل کی مگر وکٹ کیپر اور دیگر کھلاڑیوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ حماد نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ اگلی بال پھر پیڈ پر لگی اور وکٹ کیپر اسے فیلڈ کرنے کے بجائے اپیل کر رہا تھا۔ نتیجے میں بلے بازوں نے بھاگ کر دو رنز بنا لیے۔ حالانکہ یہ صرف ایک رن تھا۔ حماد کھولتے ذہن کے ساتھ واپس بالنگ مارک پر آیا۔ اگلی بال ایک شاندار گگلی تھی جو پچاس درجے کا زاویہ بناتی اندر آئی اور وکٹ کیپر اپنی وکٹیں گنوا بیٹھا۔ حماد نے ہاتھ اوپر کر کے نعرہ لگایا اور اسے حیرت ہوئی جب اس شاندار کارکردگی پر سوائے چند ایک کے کسی کھلاڑی نے اسے شاباش نہیں دی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" اس نے خود سے پوچھا اور اسے کوئی جواب نہیں ملا۔

اگلا آنے والا بلے باز بھارتی لیگ اسپنر تھا اور وہ اچھی خاصی بیٹنگ بھی کر لیتا تھا۔ اس نے حماد کی پہلی بال روکی اور اگلی بال کو سوئپ کرنے کی کوشش کی مگر بال اس کے اندازے سے زیادہ اچھی تھی۔ بال نے بلے کے اوپری کنارے کو چھوا اور ہوا میں اچھل کر مڈ وکٹ کی طرف گئی۔ حماد نے دیکھا کہ مڈ وکٹ کا کھلاڑی سستی سے بال کی طرف لپک رہا تھا۔ مجبوراً وہ خود دوڑا۔ حالانکہ اس کے لیے یہ کیچ مشکل تھا۔ اسے دوڑتے دیکھ کر مڈ وکٹ کا فیلڈر بالکل ہی رک گیا۔ حماد نے اپنی ٹانگوں کی پوری قوت صرف کی اور دوڑتے ہوئے ہوا میں اچھلا اور عین اسی لمحے جب وہ گر رہا تھا بال جیسے خود بخود اس کے ہاتھ میں آگئی۔ اس نے ناقابلِ یقین کیچ لے کر ساتویں بھارتی بلے باز کو پویلین بھیج دیا تھا۔ تماشائی ایک بار پھر خوشی سے دیوانے ہو گئے تھے۔ آل راؤنڈر اور ایک سینئر بلے باز دوڑتے ہوئے آ کر اس سے لپٹ گئے مگر باقی کھلاڑیوں کا ردِعمل سرد تھا۔ کپتان نے تقریباً

دانت پیس کر کہا۔

"تمہیں یہ کیچ لینے کی کیا ضرورت تھی۔ مڈوکٹ کا فیلڈر بہ آسانی اسے کیچ کر سکتا تھا۔"

"یہ آپ کو مڈوکٹ کے فیلڈر سے پوچھنا چاہیے کہ اس نے کیچ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔" حماد کے لہجے میں تلخی تھی۔

"تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔" مڈوکٹ فیلڈر حماد کا روم میٹ بھی تھا۔

"یہ صحیح کہہ رہا ہے تم دوڑے ہی نہیں تھے۔" تجربے کار اوپنر نے حماد کی حمایت کی۔

"ٹیک اٹ ایزی۔ ہم فی الوقت اپنی توجہ میچ کی طرف کرتے ہیں۔ سب اپنی پوزیشنوں پر جائیں۔" کپتان نے معاملہ رفع دفع کرنے کے انداز میں کہا اور سب اپنی جگہوں پر چلے گئے۔ اب آل راؤنڈر کا اوور تھا اور اس کے سامنے نیا بلے باز تھا جو بھارتی ٹیم کا سب سے تجربے کار فاسٹ بالر تھا اور اپنی جارحانہ بلے بازی کے لیے مشہور تھا۔

آل راؤنڈر کی پہلی بال ہی ایک ان سوئنگنگ یارکر تھا۔ بلے باز نے اسے کھیلنے کی کوشش کی اور گیند بلے کے اندرونی کنارے سے لگ کر فائن لیگ پر باؤنڈری پار کر گئی۔ اب بیس رنز رہ گئے تھے۔ بھارتی تماشائی پھر سے زندہ ہو گئے تھے۔ اس کی اگلی بال کو بلے باز نے بھرپور قوت سے ڈرائیو کیا اور گیند بالکل سیدھی باؤنڈری پار کر گئی۔ لگاتار دو بالوں پر دو چوکوں نے کھیل کا رخ ہی بدل دیا تھا۔ اب سولہ بالوں پر سولہ ہی رنز درکار تھے۔ آل راؤنڈر کے چہرے سے پریشانی واضح جھلک رہی تھی۔ اس موقع پر کپتان یا کسی سینیر کھلاڑی نے اسے مشورہ دینے کی کوشش نہیں کی۔ اس سے اگلی بال شارٹ آف لینتھ تھی۔ بلے باز نے حسب عادت بلا گھمایا۔ گیند نے بلے کا کنارہ لیا اور سیدھی وکٹ کیپر کے ہاتھوں میں گئی۔ انڈیا کے آٹھ کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے۔ آنے والے دونوں کھلاڑی بیٹنگ میں گئے گزرے تھے۔ مگر آل راؤنڈر کی شکل میں خطرہ ابھی کریز پر موجود تھا۔

آنے والے بلے باز نے دو بالیں روک کر کھیلیں اور تیسری بال اس نے تھرڈ مین کی طرف کھیلی۔ مگر آل راؤنڈر نے اسے رن لینے سے منع کیا۔ وہ اسٹرائک اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے خیال میں اس بلے باز کا حماد کا سامنا آسان نہیں تھا۔ اب دو اوورز میں سولہ رنز چاہیے تھے اور دو بھارتی وکٹیں باقی تھیں۔ حماد کی پہلی بال کو آل راؤنڈر نے آگے بڑھ کر مڈ آن کے اوپر سے کھیلا اور گیند باؤنڈری پار کر گئی۔ یہ بلاوجہ کا چوکا تھا۔ اگر مڈ آن فیلڈر باؤنڈری پر ہوتا تو یہ کیچ بن سکتا تھا۔ اس سے اگلی بال حماد نے ٹاپ اسپن کرائی مگر آل راؤنڈر اسے بھانپتے ہوئے جگہ بنا کر کٹ کیا اور گیند پلک جھپکنے میں باؤنڈری پار کر گئی۔ بھارتی تماشائی دیوانے ہو گئے۔ فتح کی دیوی ایک بار پھر انہیں سامنے نظر آنے لگی۔ اس بار کپتان نے حماد کی بات مانتے ہوئے فیلڈرز کو پھیلا دیا تھا۔ اگرچہ یہ کام خاصی تاخیر سے کیا گیا تھا۔ تیسری بال کو آل راؤنڈر نے غیر متوقع طور پر ریورس سوئپ کیا۔ بال تھرڈ مین کے پاس سے گزری۔ اگر وہ کوشش کرتا تو ڈائیو مار کر بال روک سکتا تھا۔ مگر اس نے دوڑ کر بال روکنے کی کوشش کی اور بال اسے شکست دیتی باؤنڈری کے باہر چلی گئی۔ یہ مسلسل تیسرا چوکا تھا۔ اب فتح بھارت سے صرف چار رنز کے فاصلے پر تھی۔ حماد خود کو بے حد مایوس محسوس کر رہا تھا۔ تمام ہی پاکستانی کھلاڑی اور تماشائی مایوس نظر آ رہے تھے۔ حماد نے اسی عالم میں چوتھی بال کرائی۔ یہ جادوئی لیگ بریک تھی جو ٹھیک بالر کے پیر کے نشان میں پچ ہوئی اور اس نے آل راؤنڈر کے پیروں کے پیچھے سے آ کر وکٹیں اڑا دیں۔ اس بار پاکستانی تماشائی دیوانے ہو گئے۔ آل راؤنڈر کو آؤٹ کر کے حماد تھکے ہوئے انداز میں نیچے بیٹھ گیا۔ رفتہ رفتہ کھلاڑی اس کے گرد جمع ہوتے گئے۔ کچھ دیر بعد پویلین سے آخری بھارتی بلے باز نمودار رہا تھا۔

"ہم اب بھی جیت سکتے ہیں۔ اگر انہیں رنز بنانے سے

روکے رکھیں۔" کپتان نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔ وہ وکٹ پر رہے تو رن بنالیں گے۔" حماد نے فوراً اس کی تردید کی "صرف آؤٹ کرکے ہی ہم جیت سکتے ہیں۔"

"ہم خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" کپتان کا لہجہ خشک تھا "یہ بال سیدھی رہ جاتی تو وائیڈ بال قرار پاتی اور وکٹ کیپر سے نکل جاتی تو ہم ہار چکے ہوتے بہتر ہوگا کہ تم اب بال کو وکٹوں میں رکھو۔"

وہ سب اپنی پوزیشنوں پر جانے لگے۔ حماد بال کرانے کے لیے تیار ہوا۔ یہ اس کے اوور کی پانچویں بال تھی۔ اس نے ایک بار پھر جادوئی لیگ بریک کرائی جو لیگ اسٹمپ کے باہر پچ ہوئی۔ بلے باز نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ لیا اسپن لیتی وکٹوں کے بالکل پاس سے وکٹ کیپر کے پاس گئی تھی۔ کپتان فوراً حماد کے پاس آیا تو اس کے لہجے میں غیظ و غضب تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ بال کو وکٹوں میں رکھو۔ آخری بال پر کوئی حماقت نہیں ہونی چاہیے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ ہمیں یہ میچ جیتنے کے بجائے ہارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" حماد نے زہریلے لہجے میں کہا اور گھوم کر اپنے بالنگ مارک کی طرف آنے لگا۔ اسی لمحے اس کے ذہن میں وہ کروڑوں پاکستانی گھوم رہے تھے جو ٹی وی سیٹس اور ریڈیو کے آگے بیٹھے پاکستان کی فتح کے منتظر تھے اور اس کے لیے دست بہ دعا تھے۔ وہ اپنے کھلاڑیوں پر اعتماد کرتے تھے کہ وہ فتح کے لیے لڑیں گے اور بھارت جیسے ازلی دشمن سے ہار نہیں مانیں گے۔ یہ میچ کہاں تھا۔ یہ تو جنگ تھی۔ حق و باطل کی۔ بے شک علامتی ہی سہی۔ اس لمحے حماد نے خود کو ایسا سپاہی محسوس کیا جس کے شانوں پر دفاع وطن کی بھاری ذمے داری ہو اور وہ محاذ جنگ پر دشمن سے نبرد آزما ہو۔ کیا اس لمحے وہ منہ پھیر کر دشمن سے شکست تسلیم کرسکتا تھا۔

"نہیں ہرگز نہیں۔" کسی نے اس کے اندر سے کہا "ایسے موقع پر لوگ جان ایسی عزیز شے قربان کردیتے ہیں۔ کیریئر کیا چیز ہے۔"

حماد نے چاروں طرف دیکھا۔ اسٹیڈیم میں تماشائی خاموش لبوں کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ چالیس ہزار نگاہیں اس پر مرکوز تھیں بہت ساری میں نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے لیکن کتنی ہی مہربان نگاہیں اسے حوصلہ دے رہی تھیں۔ اس کی جدوجہد اور اس کی فرض شناسی کو سراہ رہی تھیں۔ اسے دعا دے رہی تھیں۔ اس نے گہری سانس لی۔ اپنے ہاتھ کو ہلایا اور بال کرانے کے لیے آگے بڑھا۔ اس نے جسم و جان کی پوری توانائیوں کو اس ہاتھ میں منتقل کردیا تھا۔ وہ اپنی سب سے مشکل گیند کرانے جارہا تھا۔ اس کی معمولی سی غلطی پورے میچ کے نقشے کو بدل سکتی تھی۔

حماد کا ہاتھ گھوما۔ گیند اس کے ہاتھ سے نکل فضا میں تیرتی بلے باز کی طرف بڑھی۔ بلے باز نے اندازہ لگایا کہ گیند لیگ اسٹمپ سے باہر پچ ہوگی۔ وہ فرنٹ فٹ سامنے لایا۔ بلے کو گلانس کی پوزیشن میں جھکایا لیکن عین آخری لمحے میں بال ہلکا سا سوئنگ ہوئی اور ٹھیک لیگ اسٹمپ پر گری۔ اس کے بعد جو ہوا اس نے بلے باز کو دنگ کردیا۔ بال جتنی آہستگی سے گری تھی۔ اتنی ہی تیزی سے اسپن ہوئی اور بلے کے بالکل پاس سے گزری۔ اگلے ہی لمحے اس کی آف اسٹمپ اڑ گئی تھی۔ پاکستان یہ میچ صرف تین رنز سے جیت گیا تھا۔ اچانک حماد کو ایسی نقاہت محسوس ہوئی جیسے سالوں کا سفر کرکے گھر آنے والے کو محسوس ہوتی ہے۔ وہ گرنے جارہا تھا کہ آل راؤنڈر نے آکر اسے سنبھال لیا اور اس کے بعد وہ چاروں طرف سے امنڈتے تماشائیوں میں گھر گئے تھے۔ دوسرے کھلاڑیوں کے برعکس اس نے ڈریسنگ روم کی طرف بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ وہاں جاتا ہی کیوں جہاں چند ضمیر فروش موجود تھے اور یہ لوگ۔ حماد نے چاروں طرف دیکھا۔ جو ہنس رہے تھے، رو رہے تھے، نعرے لگا رہے تھے۔ وہ اس فتح پر دیوانے ہو رہے تھے۔ وہ سچے محب وطن تھے۔ جنہیں اپنے وطن کی جیت پیاری تھی۔ حماد ان کے درمیان ہی رہنا چاہتا تھا۔

ایک سن سی کیفیت میں اس نے مین آف دی میچ، مین آف دی ٹورنامنٹ، بہترین بالر اور تیز ترین ففٹی بنانے کے انعام وصول کیے۔ اس موقع پر امارات بورڈ نے اس کے لیے خصوصی بونس کا اعلان کیا تھا۔ مگر۔۔۔ جب وہ واپس ڈریسنگ روم میں آیا تو کپتان زخمی جانور کی طرح ٹہل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ غرایا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ تم خود کو ٹیم سے باہر سمجھو۔" اس پر حماد صرف مسکرا کر رہ گیا تھا۔

O☆O

تین مہینے بعد جب پاکستانی ٹیم ویسٹ انڈیز کے جوابی دورے پر روانہ ہو رہی تھی۔ تو پندرہ کھلاڑیوں میں حماد کا نام شامل تھا۔ البتہ وہ کپتان نہیں تھا جس نے حماد کو دیکھنے کی دھمکی دی تھی۔ عدالت نے اسے سٹے بازی کے الزام میں پاکستانی ٹیم میں شمولیت سے روک دیا تھا۔